عورت اور خاندان

لیون ٹراٹسکی

ترجمہ: ریاض کشمیری

دنیا بھر کے محنت کشو! ایک ہو جاؤ

نام کتاب: عورت اور خاندان
مصنف: لیون ٹراٹسکی
مترجم: ریاض کشمیری

فہرست

☆ تعارف-
☆ خواتین اور خاندان-تعارف
☆ پرانے خاندان سے نئے خاندان تک
☆ ماسکو کی محنت کش خواتین کی تقریب اور ریلی کے انعقاد

کے موقع پر ایک خط

☆ ممتا/مادریت کا تحفظ اور ثقافت کیلئے جدوجہد

☆ سوشلزم کی تعمیر کا مطلب خواتین کی آزادی

اور ماؤں کا تحفظ

☆ سوویٹس میں خاندانی رشتے

☆ خاندان میں تھرمیڈرو

☆ نوٹس

تعارف

ایک محنت کش عورت کی زندگی گھر سے شروع ہو کر خاندان' (جو سماج کا بنیادی یونٹ ہے) اور کام کی جگہ کے گرد گھومتی ہے اور یہی اس کتاب کا موضوع ہے۔ اس کتاب کو پڑھتے ہوئے آپ کو تھوڑی دیر کے لئے بھی یہ احساس نہیں ہوتا کہ یہ کتاب بیسویں صدی کے اوائل میں اس وقت کے سوویت یونین کی عورتوں کے مسائل اور انکی حالت زار میں بہتری کے طریقہ کار اور لائحہ عمل پر مشتمل ہے۔

یوں لگتا ہے کہ یہ آج اکیسویں صدی کے پاکستان میں رہنے والی محنت کش خواتین سے مخاطب ہے اور اگر ہم بغور جائزہ لیں تو آج پاکستان میں بسنے والی محنت کش خواتین کو زار شاہی کے روس میں رہنے والی عورتوں سے زیادہ مسائل کا سامنا ہے۔

پاکستان میں 110 مردوں کے مقابلے میں 100 عورتیں ہیں اسکی بنیادی

وجہ بچپن میں بچیوں کی صحت پر زیادہ توجہ نہ دینا' چھوٹی عمر میں شادی اور طبی شعبہ کا زوال اور بحران ہے۔

165,000 خواتین حمل کی پیچیدگیوں' اسقاط حمل اور دیگر نسوانی بیماریوں سے ناقص یا عدم فراہمی علاج کے باعث ہلاک ہوجاتی ہیں۔ 51 فیصد عورتیں حمل کے دوران ٹی بی کے مرض میں مبتلا ہوجاتی ہیں۔صحت کی سہولتوں کے فقدان کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ پاکستان بھر میں بہت کم بنیادی صحت کے مراکز ہیں۔صرف 12 فیصد خواتین کی تعلیم تک رسائی ہے جس کا زیادہ تر حصہ بورژوا اور پیٹی بورژوا خواتین پر مشتمل ہے۔

ماضی کی فرسودہ رسوم ورواج اور روایات نے آج بھی عورت کو اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا ہے۔کاروکاری' ونی' سوارا' جیسی رسمیں آج بھی موجود ہیں اور ہر سال سینکڑوں عورتیں ان کی بلی چڑھ جاتی ہیں۔ پنچایت اور جرگے کے ہاتھوں ظلم وجبر کا نشانہ بننے والی بے شمار خواتین کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔گزشتہ سال کے دوران میراں والا کیس' مظفرگڑھ کیس' ملتان کیس' رام سوامی کیس' (کراچی) اور ایسے لاتعداد کیس جو کبھی رپورٹ ہی نہیں کیے گئے۔ہمیں ان اداروں کا اصل روپ دکھاتے ہیں۔

گھریلو تشدد اور خاندان کے جبر کے ساتھ ریاستی قوانین حدود آرڈیننس' قصاص ودیت' آدھی شہادت' غیرت کے نام پر ہونے والے قتل پر رعایت' عورتوں پر ریاستی جبر وتشدد کے آئینہ دار اور عورتوں کے سروں پر لٹکتی ہوئی تلواریں ہیں۔ان قوانین کی وجہ سے ہزاروں عورتیں اپنے بچوں کے ساتھ آج بھی جیل خانوں میں مقید ہیں۔ ہر 6 گھنٹوں میں ایک عورت کے ساتھ زیادتی ہوتی ہے ہر 4 دنوں میں اجتماعی زیادتی کا ایک واقعہ ہوتا ہے۔پچھلے سال پنجاب میں 572 زیادتی کے کیس درج کروائے گئے جن میں سے 28 عورتوں کو زیادتی کے بعد تشدد کر کے قتل کر دیا گیا تھا۔ ہر سال ہزاروں ایسے واقعات ہوتے ہیں جنکی رپورٹ درج نہیں کروائی جاتی۔لاکھوں لڑکیاں جہیز کے نہ ہونے کی باعث اپنے والدین کے گھروں میں بیٹھی ہوئی بوڑھی ہوجاتی ہیں۔گو کہ اس سے متعلق قوانین

موجود ہیں مگر ان کے ساتھ بھی وہی حشر ہوتا ہے جو دیگر محنت کشوں کے حقوق کے متعلق قوانین کے ساتھ ہوتا ہے۔

سرمایہ داری کے بحران نے جہاں ان روایات کو زیادہ بڑے پیمانے پر زندہ کیا ہے اور جبر وتشدد، ناانصافی اور استحصال کو مزید تیز کیا ہے وہاں خاندانوں کو درپیش معاشی مسائل نے عورتوں کو گھر سے باہر نکلنے پر مجبور کیا ہے۔ یہاں پر عورتیں تہرے استحصال کا شکار ہوتی ہیں گھر سے نکل کر کام کی جگہ تک اسے ذہنی اور جنسی طور پر ہراساں کیا جاتا ہے اور کام کی جگہ پر غیر موافق ماحول، غیر مساوی اجرتوں، ساتھ کام کرنے والے مرد مزدوروں، سپر وائزروں اور مالکوں کے غیر مناسب رویوں کا سامنا ہوتا ہے۔

مارکسزم نے خواتین کے سوال کو ہمیشہ بہت زیادہ اہمیت دی ہے کیونکہ جہاں دنیا کی آبادی کا نصف حصہ خواتین پر مشتمل ہے وہاں محنت کش طبقے کا نصف حصہ بھی عورتوں پر مشتمل ہے۔ مارکسسٹوں نے ابتدا ہی سے خواتین محنت کشوں میں کام کرنے کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ مارکسزم ''حقوق نسواں'' کے لئے جدوجہد کی حمایت کرتا ہے مگر مارکسسٹوں کے ہاں ''حقوق نسواں'' کی جدوجہد بورژوا اور پیٹی بورژوا رجحان رکھنے والی فیمنسٹوں سے قطعی مختلف ہے۔ مارکسسٹوں کے نزدیک عورتوں پر ہونے والے جبر واستحصال کی وجہ معاشرہ کی طبقاتی تقسیم ہے جبکہ بہت سی فیمنسٹوں کے ہاں عورتوں پر جبر اور ناانصافی کی وجہ مردوں کی ذہنیت ہے۔ یہ ایک غیر سائنسی، غیر جدلیاتی اور تاریخی تجزیہ سے عاری نظریہ ہے۔

مارکسزم کے ہاں عورتوں کی آزادی محنت کش طبقہ کی جڑت اور جدوجہد سے منسلک ہے اور عورتوں کے حقوق طبقہ کی آزادی سے منسلک ہیں جو کہ ایک سوشلسٹ انقلاب کے ذریعے حاصل ہوسکتی ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ پرولتاریہ کے اقتدار پر قبضہ کر لینے کے فوراً بعد عورتوں کو حقیقی آزادی نصیب ہوجائے گی! وراثت میں ملنے والی مردانہ حاکمیت کی سوچ اس وقت تک ختم نہیں ہوتی جب تک کہ وہ مادی حالات نہ فراہم ہوسکیں جن کی بنیاد پر مرد اور عورت کے رشتے کا درست تعین کیا جاسکے۔

مارکسسٹ عورتوں پر ہونے والے جبر واستحصال کو مختلف انداز سے دیکھتے ہیں بظاہر ہمیں نظر آتا ہے کہ عورتوں پر ہونے والا استحصال معاشرہ پر مردوں کی حاکمیت ہے تیسری دنیا میں یہ زیادہ مضبوط نظر آتا ہے۔ خاندان اور گھریلو زندگی سے لیکر کام کی جگہوں تک ہمیں مردوں کی حاکمیت نظر آتی ہے۔ اور عورتوں کے خلاف رویوں اور دباؤ کا ذمہ دار بھی مرد ہی نظر آتا ہے۔لیکن اگر ہم ان تمام مسائل کا بغور جائزہ لیں تو ہمیں یہ بات واضح نظر آتی ہے کہ اس جبر واستحصال' دباؤ اور ناانصافی کی وجہ مردوں کی ذہنیت نہیں بلکہ حکمران طبقہ کی وہ سوچ ہے جو نجی ملکیت کے ظہور کے ساتھ ساتھ پروان چڑھی اور سرمایہ داری نظام میں عروج کو پہنچی۔ملکیت اور ''غیرت'' کے احساس سے گھر کی غلامی اور خاندان کے ہاتھوں استحصال اور بے انصافی کی ابتدا ہوتی ہے۔

حکمران طبقہ کی اس سوچ کے پیچھے کیا محرکات کارفرما تھے؟ مغربی ملکوں میں سرمایہ دارانہ انقلاب کے بعد خاندان کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی۔ ایک شادی شدہ شخص کو زیادہ ذمہ دار اور سنجیدہ شخص کے طور پر متعارف کیا گیا کیونکہ جب وہ کام سے تھکا ہارا گھر آتا تو گھر میں اسکی بیوی اسکی خدمت کے لئے موجود ہوتی اس کی باقی گھریلو ضروریات کے ساتھ ساتھ اسکی صحت کا خیال رکھتی تاکہ وہ صبح تازہ دم ہو کر اپنے کام پر جا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ بیسویں صدی کے اوائل تک زیادہ بہتر اجرتوں پر کام کرنے والے محنت کش فخریہ انداز میں یہ کہتے تھے کہ '' ہماری بیوی کام نہیں کرتی ''

پہلی جنگ عظیم کے دوران بہت بڑی تعداد میں عورتوں کو مختلف صنعتوں میں کام کرنے کے لئے دھکیلا گیا کیونکہ زیادہ تر مرد محنت کش جنگ کی بھٹی میں جھونک دیئے گئے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا جب عورتوں کی اتنی بڑی تعداد باقاعدہ محنت کشوں کی صفوں میں شامل ہوئی تھی۔ یہاں انہیں سخت حالات کار اور ناموافق ماحول کا سامنا تھا۔انہیں دوہری مشقت کرنا پڑتی تھی۔ فیکٹری کے کام کے بعد گھر میں بھی کام کرنا پڑتا تھا بچوں کی نگہداشت بھی انہی کی ذمہ داری تھی۔

اس سارے عمل میں سرمایہ داروں کو سستی محنت کے ساتھ ساتھ ایک اطاعت

گزارفوج بھی میسر آ گئی ۔جس کے نتیجے میں عورتوں کو کام کے مواقع فراہم کیے گئے ۔لیکن فیکٹریوں اور صنعتوں میں کام کرنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا کہ گھریلو کام سے چھٹکارا پالیا گیا تھا۔

تیسری دنیا کے مما لک جہاں نہ تو جاگیرداری نظام کو مکمل طور پر اکھاڑا جا سکا اور نہ ہی صنعتی انقلاب مکمل ہوسکا۔ وہاں عورتوں کی حالت زار زیادہ قابل رحم ہے ۔سرمایہ دارانہ نظام کے استحصال اور معاشی مجبوریوں نے انہیں گھر سے نکال کر اداروں اور فیکٹریوں میں پہنچا دیا ہے مگر جاگیردارانہ نظام کے پرانے اور بوسیدہ بندھن بھی اسکے پیروں کی زنجیریں ہیں ۔جسکی جکڑ سرمایہ دارانہ نظام کے زوال نے مزید مضبوط کردی ہے سرمایہ دار کے لئے عورت صرف سستی محنت کرنے والی فوج کے محفوظ دستے کی مانند ہے ۔جس کا بدترین استحصال کیا جاتا ہے اور وہ بہت کم احتجاج کرتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نوآبادیاتی مما لک کے مارکسسٹ عورتوں کی محکومی کے خلاف جنگ کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں ۔سماجی تعلقات کو بدلے بغیر صرف روایتی ’’برابری کے حقوق‘‘ کا حصول بہت محدود مقصد ہے اور اس سے سرمایہ دارانہ سماج کے اندر خواتین پر ظلم کی بنیادی وجوہات ختم نہیں ہوتیں ۔ان تمام سماجی، معاشی اور گھریلو مصائب کے بوجھ تلے صرف محنت کش طبقہ کی خواتین ہی دبی ہوئی ہیں ۔ بورژوا اور پیٹی بورژوا طبقہ کی عورتوں کے مصائب کی نوعیت مختلف ہوتی ہے ۔ ہمیں اس طبقاتی فرق کو ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہیے ۔ کیونکہ جب کبھی دنیا کے کسی بھی گوشے میں اس ظلم اور ناانصافی کے خلاف خواتین سراپا احتجاج ہوئیں وہاں یہ طبقاتی فرق بنیادی نظر آتا ہے ۔محنت کش طبقہ کی خواتین انقلابی تبدیلیوں کیلئے میدان عمل میں اترتی ہیں جبکہ نام نہاد ’’ترقی پسند خواتین‘‘ اپنے مطالبات کو اپنے خودغرضانہ مقاصد کے دائرے میں رکھنے کی جدوجہد کرتی ہیں ۔

تاریخ میں محنت کش طبقہ کی خواتین کی جدوجہد کی بہت شاندار مثالیں ملتی ہیں ان میں قابل ذکر ’’فرانسیسی انقلاب‘‘ میں خواتین کا کردار، برطانیہ کی مزدور تحریک کے اوائل میں ہونے والی جدوجہد میں شامل خواتین اور سب سے بڑھ کر ’’اکتوبر

انقلاب‘‘ میں پرولتاریہ خواتین کی جدوجہد اور قربانی قابل ذکر ہیں۔

آج بھی محنت کش خواتین سرمایہ دارانہ نظام کو اکھاڑنے میں اہم رول ادا کرسکتی ہیں اور یقیناً کریں گی۔ سوشلسٹ معاشرہ کی تعمیر کے دوران نہ صرف مرد وزن سماج کو بدلیں گے بلکہ وہ خود اپنے آپ کو بھی بدلیں گے۔ اور اس کا ایک مظہر ہڑتال کے دوران دیکھنے میں نظر آتا ہے جب مرد وزن اپنے آپ کو انسانیت کی بلندی تک لے جاتے ہیں اور غلام دارانہ سوچ کو یکسر جھٹک دیتے ہیں۔

آزادی کی جو جنگ ہم لڑ رہے ہیں وہ صرف اپنے لیے یا اپنے گروہ کی آزادی کی جنگ نہیں بلکہ پوری انسانیت کی آزادی کیلئے ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم عورتوں کے فوری مسائل کی جدوجہد کو ترک کردیں۔ اس کے برعکس سرمایہ دارانہ نظام میں رہتے ہوئے ہر قسم کے استحصال کے خلاف روزمرہ کی جدوجہد کے بغیر سوشلسٹ انقلاب کی جدوجہد ناممکن ہوجاتی ہے لیکن یہ بات بھی مدنظر رہنی چاہیے کہ سرمایہ دارانہ نظام کے اندر رہتے ہوئے حاصل کی جانی والی مراعات غیر یقینی، نامکمل اور مسخ شدہ حالت میں ملتی ہیں جس کو روز بروز بڑھتے ہوئے سرمایہ داری کے زوال کی وجہ سے موجود حالات، سماجی اور اخلاقی قدروں کے رجعتی کردار کے حامل ہونے کا خطرہ لاحق رہتا ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ عورتوں کے حقوق کی جدوجہد کو محنت کش طبقہ کی سرمایہ داری کے خلاف جدوجہد سے منسلک کیا جائے اور فتح کا ممکنہ راستہ یہی ہے۔

اس کتاب میں ٹراٹسکی نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ کس طرح سوشلسٹ انقلاب کے برپا ہونے کے بعد سوویت یونین میں عورتوں کی حالت بدلنا شروع ہوئی تھی لیکن سوشلزم اور کمیونزم کی تکمیل کے بغیر جنسی استحصال کا مکمل خاتمہ نہیں ہوسکتا۔ لیکن سرمایہ دارانہ نظام میں رہتے ہوئے آزادی نسواں تو دور کی بات ہے محنت کش عورت کی زندگی میں معمولی سی بہتری بھی ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ معاشی بحران عورت اور سماج کی دوسری مظلوم پرتوں کو شدت سے کچلتا ہے۔ اس کتاب میں نہ صرف بہت سے اسباق ہیں بلکہ وہ سائنسی لائحہ عمل بھی پیش کیا گیا ہے جس سے حقیقی طور پر عورت ایک طبقاتی جدوجہد کے ذریعے ہی تمام سماجی، اخلاقی،

معاشی اور تاریخی بندھن توڑ کر حقیقی آزادی حاصل کر سکتی ہے۔ اس سماج کو بدلنے کے لئے اگر عورتوں اور مردوں کی مشترکہ جدوجہد نہیں ہوگی تو سوشلسٹ انقلاب برپا نہیں ہو سکتا۔ خواتین کی شمولیت اور اس کے متحرک کردار کے بغیر کوئی انقلابی پارٹی یا تحریک مکمل نہیں ہو سکتی اور نہ ہی کوئی فعال کردار ادا کر سکتی ہے ۔ لیکن عورتوں اور مردوں کی جنسی تفریق کی سیاست طبقاتی یکجہتی کو توڑنے کا جرم بنتی ہے جو انتہائی رجعتی اور ردانقلابی اقدام ہے ۔ پاکستان میں سوشلسٹ انقلاب کی جدوجہد میں شریک خواتین اور مرد دونوں کیلئے یہ کتاب اس حوالے سے بھی اہم ہے کہ اس مخصوص مسئلہ کو حل کرنے کیلئے مارکسی لائحہ عمل کیا ہے ؟۔ اس لائحہ عمل کی وضاحت ہی خواتین کو انقلابی عمل سے جوڑے گی اور یہی جڑت سوشلسٹ فتح کی ضمانت بنے گی ۔

ہم ہونگے کامیاب ایک دن ۔

صدف زہرا

فروری 2003ء لاہور

خواتین اور خاندان

تعارف--کیرولین لنڈ (Caroline Lund)

روس میں انقلاب کا آغاز خواتین نے کیا تھا ۔ 1917ء میں خواتین کے عالمی دن (مغربی کیلنڈر کے مطابق 8 مارچ) کے موقع پر پیٹروگراڈ میں ٹیکسٹائل کی محنت کش خواتین نے ہڑتال کر دی اور دوسری محنت کش خواتین سے مدد کی اپیل کی ۔ ان کے مطالبات بڑے معمولی نوعیت کے تھے ۔ انہوں نے مطلق العنانیت اور جنگ وجدل کے برخلاف روٹی کا مطالبہ کیا تھا ۔ لیکن یہ ہڑتال انقلاب کا محض

آغاز تھا جس نے آگے چل کر زار شاہی اور پھر سرمایہ دار طبقے کا قلع قمع کرنا تھا۔

زار شاہی میں خواتین کے وہ حالات زندگی جنہیں سوویت انقلاب نے بہت حد تک اکھاڑ پھینکا تھا، نہایت ہی ظالمانہ اور کچل دینے والے تھے۔ مرکزی منصوبہ بندی اور صنعت کو قومی تحویل میں لے کر تمام آبادی کو صنعت کاری کے فوائد پہنچائے گئے۔ کیٹ ملٹ (Kate Millett) اپنی کتاب ''جنسی سیاست'' (Sexual Politics) میں لکھتی ہیں کہ سوویت انقلاب کے بعد مختصر مدت میں ہی، خواتین کی آزادی کی سمت سوویت حکومت کی حقیقی ترقی پسند پالیسیاں بالکل الٹ ہو گئیں۔ وہ لکھتی ہیں:

''شادی، طلاق، اسقاط حمل، بچوں کی نگہداشت اور خاندان سے متعلق ابتدائی بنیادی آزادیاں مختصر کر دی گئیں۔ حتیٰ کہ 1943ء تک سوویت یونین میں مخلوط نظام تعلیم کا خاتمہ کر دیا گیا تھا۔ جنسی انقلاب کا خاتمہ ہو گیا اور ردانقلاب فتح یاب ہوا۔ اس کے بعد کی دہائیوں میں سوویت یونین کے اندر خواتین کے حوالے سے آنے والی تبدیلیوں کا رجعت پسندانہ سوچ نے مذاق اڑایا اور اس حماقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بڑے جشن اور خوشیاں منائیں۔''

''جنسی سیاست''، دبلڈے نیویارک 1970ء صفحہ (176)

یہ حقیقت ایک واضح سوال اٹھاتی ہے کہ سوویت یونین میں یا دوسرے ان ممالک میں جہاں سوشلسٹ انقلابات برپا ہوئے، خواتین نے مکمل آزادی حاصل نہیں کی: کیا سوشلزم خواتین کی آزادی کی شاہراہ ہے؟ خواتین کی آزادی کی تحریک کے بنیادی مطالبات یقیناً سوشلزم کی سمت راہنمائی کرتے ہیں۔ مثلاً اس نظریے کی تشہیر کہ خاندان کا فرض منصبی (بچوں کی نگہداشت، لانڈری، صفائی، طبی سہولیات وغیرہ) سماجی ہونا چاہیے۔ یعنی ہر ایک کیلئے یہ سہولیات مفت ہونی چاہییں۔ تاہم کیٹ ملٹ (Kate Millett) لکھتی ہیں کہ سوویت خواتین نے بہت سی حاصلات جو انقلاب کے باعث حاصل کیں تھیں، آخرکار سٹالنزم کے سیاسی ردانقلاب کے باعث گنوا دیں۔ نیوکلیئر فیملی سسٹم ابھی تک رائج ہے۔

خواتین کو ابھی تک ایک گھٹیا مخلوق سمجھا جاتا ہے جو گھریلو چاکری اور بچوں کی نگہداشت کرتیں ہیں۔ ملازمت میں بھی ان کے ساتھ امتیازی سلوک برتا جاتا ہے۔

کیا آج کا سوویت یونین سوشلزم کے تحت حقیقی امکانات کا آئینہ دار ہے؟ کیا خواتین کیلئے ایک نئے معاشی نظام میں یہی سب کچھ ہے؟ اس کتابچے میں ٹراٹسکی کی تحریروں سے اقتباسات ان سوالوں کا جواب نفی میں دیتے ہیں۔ بالشویک انقلاب کا مرکزی راہنما ٹراٹسکی، ان عظیم شخصیات میں سے ایک تھا جنہیں مارکسی تحریک نے جنم دیا تھا۔ خواتین اور خاندان پر اس کا نقطہ نظر مکمل طور پر ان روایات سے ہم آہنگ ہے جنہیں فریڈرک اینگلز نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ''خاندان، ذاتی ملکیت اور ریاست کا آغاز'' میں قلم بند کیا ہے۔

''زندگی کی مشکلات 1924ء'' میں ٹراٹسکی کا یہ کہنا کہ 'حالات زندگی کو بدلنے کیلئے لازم ہے کہ ہم انہیں (چشم زن) عورت کی نظر سے دیکھنا سیکھیں، مارکسی روایت کا اعلیٰ اظہار ہے۔ سوویت یونین میں مراعات یافتہ بیورو کریسی جس نے سٹالن کی سرکردگی میں طاقت پر غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا، 1924ء میں لینن کی وفات کے بعد ٹراٹسکی 1929ء میں جلاوطنی سے لے کر اپنی وفات 1940 تک اس کا سب سے بڑا مخالف تھا، ٹراٹسکی نے اپنے انقلابی نقطہ نظر کا دامن آخر تک نہ چھوڑا حتیٰ کہ سٹالن کے دلال میکسیکو میں اسے قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

اس کتابچے کے پہلے دو انتخابات 1923ء میں تحریر کئے گئے تھے جب لینن شدید علیل تھا۔ ٹراٹسکی اس وقت بھی جنگ کا کیمسار تھا اور انقلاب اس وقت اپنے پہلے ''بہادرانہ Heroic'' دور اختتام کے قریب تھا۔ حالات مستقل تغیر پذیر تھے۔ خواتین ابھی تک فوائد حاصل کر رہی تھیں۔ سوویت یونین کو اس وقت آزادی نسواں کے ضمن میں جن پیچیدہ مادی اور ثقافتی مشکلات کا سامنا تھا، ٹراٹسکی ان سے پنجہ آزمائی کر رہا تھا۔

اس کتابچے کا تیسرا اور چوتھا انتخاب ٹراٹسکی نے 1925ء میں قلمبند کیا جب

اسے کمیونسٹ پارٹی کی لیفٹ اپوزیشن کے عہدے (جس کا وہ سربراہ تھا) اور فوجی عہدے سے ہٹا دیا گیا تھا۔ کیونکہ لیفٹ اپوزیشن نے سٹالنسٹ دھڑے کی بڑھتی ہوئی انتہائی رجعت پسند پالیسیوں کی مخالفت شروع کر دی تھی۔ دسمبر 1925ء میں ماسکو میں ''خواتین اور بچوں'' کی حفاظت کے سلسلے میں ہونے والی تیسری آل یونین کانفرنس کے موقع پر ٹراٹسکی کی تقریر اور آرٹیکل منظر عام پر آئے۔

اس کتاب کا آخری انتخاب ٹراٹسکی کی مشہور زمانہ کتاب ''انقلاب سے غداری'' (The Revolution Betrayed) کا اقتباس ہے جو اس نے 1936ء میں ناروے میں لکھی تھی۔ اس وقت سٹالنسٹ رجعتیت سوویت زندگی کے ہر پہلو پر غالب آ چکی تھی۔ یہاں ٹراٹسکی نے خواتین اور خاندان کا تجزیہ انقلاب کے عمومی زوال پذیری کے طور پر کیا ہے۔

ٹراٹسکی کے ان مضامین کو اگر پیش منظر کے طور پر دیکھا جائے تو سوویت یونین میں خواتین کے حالات میں تبدیلیوں کا تجزیہ کرنا بہت سودمند ہے۔ کچھ دیہی علاقوں میں عورتیں ہر وہ کام کرتی تھیں جو ان کے شوہر کہتے تھے اور انہیں لکھنے پڑھنے کی اجازت نہیں تھی۔

1917ء سے قبل خواتین حقیقی طور پر اپنے شوہروں کی باندیاں تھیں۔ زار قوانین کے مطابق بیوی کو اپنے شوہر کا ہر حکم ماننا پڑتا تھا چونکہ شوہر خاندان کا سربراہ ہوتا تھا۔ بحیثیت گھریلو خاتون اسے ہمیشہ اپنے خاوند سے محبت کرنا پڑتی تھی۔ اس کا ادب واحترام اور فرمانبرداری کرنا پڑتی تھی۔ شوہر کی خاطر ہر طرح کی کرم فرمائی اور شفقت کا مظاہرہ کرنا پڑتا تھا۔ زار قوانین بیوی کو زدوکوب کرنے کی واضح اجازت دیتے تھے۔

1917ء سے 1927ء کے دوران سوویت حکومت نے نئے قوانین کا ایک لمبا چوڑا سلسلہ وضع کیا جس نے پہلی بار خواتین کو مردوں کے برابر جائز مساوات اور برابری دی۔ نئے قوانین نے شادی کے اندراج کے طریقے کو سہل بنا دیا جس کا انحصار باہمی رضامندی پر تھا۔ بیوی یا شوہر میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کا نام اپنا سکتا تھا یا دونوں اپنے اپنے ناموں کو ہی جاری رکھ سکتے

تھے۔(مثال کے طور پر ٹراٹسکی نے شہریت کے لوازمات پورے کرنے کی غرض سے اپنی بیوی نتالیہ سیدوف (Natalia Sedov) کا نام اپنایا تھا ناجائز بچوں کا تصور ہی ختم کر دیا گیا تھا۔ اسقاط حمل ہر خاتون کا حق تھا۔ 1927ء تک تو شادی کا اندراج ہی نہیں ہوتا تھا۔ اور کسی ایک فریق کی گزارش پر طلاق آسانی سے ممکن تھی۔ 1919ء کا کمیونسٹ پارٹی پروگرام وضاحت کرتا ہے:

موجودہ لمحے میں پارٹی کی ذمہ داری بنیادی طور پر تعلیمی اور نظریاتی میدان میں کام کرنا ہے تاکہ پرانے تعصّبات اور عدم مساوات کے نشانوں کو مکمل طور پر مٹایا جا سکے، خاص کر پس ماندہ محنت کش طبقے اور کسانوں کے اندر سے پارٹی کی کاوشیں خواتین کی محض رسمی برابری تک محدود نہیں ہیں بلکہ خواتین کے مالی بوجھ کو ہلکا کرنے اور انہیں گھریلو کام کے بوجھ سے نجات دلانے کیلئے پارٹی اس کے متبادل یہ کوشش کر رہی ہے کہ انہیں عوامی گھروں، عوامی ریستورانوں، مرکزی لانڈریوں اور نرسریوں وغیرہ میں مصروف رکھا جائے۔

پہلے قدم کے طور پر خواتین کو گھروں سے نکال کر زندگی کے رنگوں میں شامل کرنے کی کاوشوں کے ساتھ ساتھ انقلاب کے عمومی تاثر (جس نے پس ماندہ روایات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا تھا) نے خاندان کے اوپر گہرے اثرات مرتب کئے تھے۔ پرانا خاندانی نظام جڑوں تک ہل گیا تھا۔ اور خاص طور پر نوجوانوں نے نئے انداز میں اجتماعی رہن سہن کیلئے ہر طرح کے تجربے کئے تھے۔

لیکن بالشویکوں کے پروگرام کو مکمل طور پر محسوس نہیں کیا گیا اور 1930ء کی دھائی میں خاندان اور خواتین کی طرف سوویت رویہ بالکل الٹ ہو گیا۔ انقلاب کے ابتدائی دس 10 سالوں میں خواتین کی تمام تر حاصلات ختم کر دی گئیں۔ اسقاط حمل (Abortion) ناجائز قرار پایا اور طلاق کا عمل مشکل سے مشکل ہوتا گیا حتیٰ کہ یہ ایک مہنگا عدالتی مسئلہ بن گیا۔ طوائفوں کو گرفتار کیا گیا۔ جب کہ ابتدائی بالشویک پالیسی کے مطابق صرف قحبہ خانوں کے مالکوں کو گرفتار کیا جاتا تھا اور ایسے لوگوں کو منظر عام پر لایا جاتا تھا جو طوائفوں کو لاتے تھے اور انہیں تربیت دیتے تھے۔ ڈے کیئر سینٹروں کے اوقات کار کو کم کر کے عام ورکنگ ڈے

کے اوقات کار کے برابر لایا گیا۔ گھریلو کام کاج کرنے اور گھریلو خواتین بنانے کیلئے سکولوں میں بچیوں کو خاص مضامین پڑھائے جانے لگے۔

(ٹراٹسکی نے 1938ء میں اس الٹی گنگا کو یوں بیان کیا تھا:)

''ریاستی پالیسی اور سماجی حکومت کے مقام کے تعین کیلئے خواتین کی صورت حال بہت ہی واضح اور اثر آفریں اشارہ ہے۔ اکتوبر انقلاب نے اپنے جھنڈے پر آزادی نسواں کو لکھا تھا۔ خاندان اور ازدواجی بندھن کے سلسلہ میں تاریخی ترقی پسندانہ قانون سازی کی تھی۔ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ سوویت خاتون کی زندگی یکایک بہت خوشگوار ہو جاتی تھی۔ ثقافت اور معیشت کی عمومی ترقی کے بغیر' پیٹی بورژوا خاندانی اکائی کو نیست و نابود کئے بغیر' اشترا کی خوراک کی تیاری کو متعارف کروائے بغیر اور تعلیم کے بغیر خواتین کی حقیقی آزادی ناقابل فہم ہے۔ اسی دوران جبلی رجعت پسندی کی یرغمال بیوروکریسی نے خاندان کے انتشار پر کان کھڑے کر دیئے ہیں۔ اس نے خاندانی لذیذ کھانوں اور خاندانی لانڈریوں کے قصیدے گانے شروع کر دیئے ہیں۔ بیوروکریسی نے اسقاط حمل پر مجرمانہ سزاؤں کا پھر سے اطلاق کر دیا ہے۔ سرکاری طور پر خواتین پھر سے مقید جانور کے مقام پر آ گئیں ہیں۔ حکمران طبقہ جو کہ کمیونزم کی الف' ب سے بھی مکمل طور پر ناواقف ہے' اس نے انتہائی رجعتی اور شب گرفتہ پیٹی بورژوا خاندانی طبقاتی نظام پھر سے بحال کر دیا ہے۔''

(ٹراٹسکی کی تحریروں سے (1938-1937ء)' پاتھ فائنڈر پریس نیویارک' 1970ء صفحہ 170)

1953ء میں سٹالن کی وفات کے بعد کچھ تبدیلیاں کی گئیں۔ مثلاً جائز اور قانونی اسقاط حمل وغیرہ مگر خاندان کو معاشی اکائی کے طور پر برقرار رکھنے کا بنیادی تناظر نہ بدلا۔ آج تک یہ وہی ہے۔ فروری 1969ء میں ایک آرٹیکل (سوویت زندگی کا مسئلہ) شائع ہوا یہ آرٹیکل خاندان اور شادی کے نئے قانون کے متعلق ہے جسے سپریم سوویت نے 1968ء میں پاس کیا تھا۔

آرٹیکل کچھ یوں وضاحت کرتا ہے:

''گذشتہ کی طرح یہ نیا بنیادی قانون وضاحت کرتا ہے کہ صرف وہی شادی جسکا سرکاری طور پر اندراج ہوا ہے' جائز ہے۔ سوویت خاندان کی قانون سازی کی منزل کے حوالے سے یہ وضاحت بڑی جاندار ہے۔ جس کا مطلب خاندانی اکائی کو مضبوط کرنا ہے۔''

سوویت خواتین آج بھی گھریلو کام کے بوجھ تلے دبی ہوئیں ہیں اور بچوں کی پرورش کرنا ان کی ذمہ داری ہے۔ بچوں کی بہت بڑی تعداد نرسریوں اور کنڈر گارٹن (ایک ایسا سکول جہاں بہت ہی چھوٹے بچوں کو کھلونوں اور ماڈلز کے ذریعے تعلیم دی جاتی ہے) سے محروم ہے۔ ریفریجریٹر ابھی تک ایک عیاشی سمجھی جاتی ہے۔ عوامی لانڈریوں کا وسیع پیمانے پر کوئی نظام نہیں ہے۔ چھوٹے اور پر ہجوم گھروں کے اندر ہی کپڑے دھوئے اور سوکھنے کیلئے پھیلائے جاتے ہیں۔

اجرت پر مزدوری کرنے والوں کی تعداد کا 50 فیصد خواتین ہیں مگر عموی طور پر وہ کم اجرت کی ملازمت کرنے پر مجبور ہیں۔ سپر وائزرز کی ملازمت انہیں کبھی بھی نصیب نہیں ہوئی۔ مثال کے طور پر خواتین تمام انجینئروں کا 32 فیصد ہیں مگر ان میں سے پلانٹ ڈائیریکٹرز صرف 12 فیصد ہیں۔ خواتین پرائمری اور سیکنڈری سکولوں کے اساتذہ کا 73 فیصد ہیں مگر صرف 32 فیصد ایسی ہیں جو سکولوں کی ڈائریکٹرز ہیں۔ سائنسدانوں کا 42 فیصد خواتین ہیں مگر سوویت یونین اکیڈمی آف سائنٹسٹس کے 204 اراکین میں خواتین کی تعداد صرف 2 ہے۔ سوویت ڈاکٹروں کا 79 فیصد خواتین ہیں مگر سوویت ڈاکٹروں کو ایک ہنر مند مزدور کی دو تہائی تنخواہ کے برابر اجرت ملتی ہے۔ اسی لئے مرد حضرات کا میڈیکل کے شعبہ کی طرف رجحان بہت کم ہے۔ اگر سیاسی میدان میں نظر دوڑائی جائے تو کمیونسٹ پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کے 195 اراکین میں صرف تین خواتین ہیں۔

بورژوا خاندان کے تصور اور خاندان کے اندر خواتین کے ''فرائض'' کی طرف واپسی' سوویت یونین میں دوسری تبدیلیوں سے علیحدگی کے باعث واقع نہیں ہوئی۔ یہ اس عمل کا حصہ تھا جس نے سوویت زندگی کے تمام پہلوؤں کو متاثر کیا۔ مراعات کی نشوونما ہوئی۔ جمہوریت ختم کر دی گئی۔ ایک رجعتی غیر ملکی پالیسی

اپنائی گئی جو عالمی انقلاب کی بجائے ''ایک ملک میں سوشلزم'' پر مبنی تھی۔ مقبول عام عوامی فوج کو ختم کر کے اسکی جگہ مراعات یافتہ افسران کی فوج ظفر موج اکٹھی کی گئی۔ فنون کا گلا گھونٹا گیا۔ اجرتوں کی ادائیگی کیلئے پیس ورک سسٹم نافذ کیا گیا۔ اقلیتی قوموں پر ظلم پھر سے شروع کیا گیا۔ نوجوان نسل کو دبایا گیا ان تطہیرات نے بالشویکوں کی اس تمام نسل کو مٹا دیا جس نے 1917ء کے انقلاب کو جنم دیا تھا۔

جو کچھ ہوا یہ ایک الٹ ردعمل تھا۔ ایک سیاسی رد انقلاب تھا۔ انقلاب کو پیچھے کی طرف دھکیلنا تھا۔ لیکن یہ سب کچھ ایک ایسے نقطے تک نہیں کیا گیا جہاں سے سرمایہ دارانہ نظام کی بحالی شروع ہوتی ہے بلکہ سرمایہ دارانہ سماج کی کچھ نشانیوں کا احیاء کیا گیا یا انہیں مستحکم کیا گیا تھا۔

رد انقلاب کی فتح کی بنیادی وجہ انقلاب کی سیاسی اور معاشی تنہائی اور سوویت سماج کی غربت تھی۔ شدید معاشی پس ماندگی کے ساتھ ساتھ پہلی عالمی جنگ نے بھی روس کو تباہ و برباد کیا۔ پھر 21-1918ء کی خانہ جنگی کے دوران انقلاب کے بہترین اور باشعور محافظ قتل کر دیئے گئے۔ اسی دوران انقلاب کے خاتمے کیلئے دنیا کے 21 سرمایہ دار ممالک نے سوویت یونین پر چڑھائی کر دی۔ 1919ء اور 1921ء کے دوران سوویت یونین کے بعض علاقے شدید قحط کا شکار ہو گئے۔ بلکہ ان کی حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ جہاں سے بعض اوقات آدم خوری شروع ہو جاتی ہے۔ انقلاب کئی سالوں تک بے یارو مددگار گوشہ تنہائی میں پڑا رہا اور کسی دوسرے امیر ملک میں انقلاب برپا نہ ہوا۔ ٹراٹسکی نے غربت کے باعث بیوروکریسی کے ابھرنے کے رجحان کو یوں بیان کیا ہے:

''جب اشیاء کی فراوانی ہوتی ہے تو خریدار جب چاہیں جو چاہیں آرام سے خرید سکتے ہیں۔ لیکن جب اشیاء کی قلت ہوتی ہے تو خریدار قطار میں کھڑا ہونے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اور جب لمبی لمبی قطاریں لگتی ہیں تو نظم و ضبط برقرار رکھنے کیلئے پولیس والے کی تقرری ناگزیر ہوتی ہے۔ یہی سوویت بیوروکریسی کا نقطہ آغاز ہے۔''

(انقلاب سے غداری' پاتھ فائنڈر پریس نیویارک 1970ء صفحہ 112)

ضرورت کی اشیاء کی نگران پولیس اور منتظمین کی یہ پرت بڑی تیزی سے پروان چڑھی جو اپنے لئے بہترین اشیاء نکال کر لے جاتے تھے۔ یوں مراعات یافتہ بیوروکریسی ابھری جس کے مفادات سوویت عوام کے مفادات سے بالکل الگ تھلگ تھے۔ مسلسل جنگوں اور تھکاوٹ کی وجہ سے اس مراعات یافتہ بیوروکریسی کی مخالفت کم ہوتی گئی۔ اس کی ایک اور وجہ تنہائی بھی تھی چونکہ پوری سرمایہ دار دنیا میں روس ہی واحد مزدور ریاست تھی۔

آزادی نسواں کے ضمن میں، وہ غربت جو روسی انقلاب کو ورثے میں ملی تھی اس کا مطلب دو چیزیں تھیں:

پہلی چیز سوویت حکومت کے سامنے تیزی سے خاندانی نظام کے متبادل (بچوں کی نگہداشت کے مراکز، لانڈریاں، عوامی ریستوران وغیرہ) کی تعمیر کی راہ میں معروضی بندشیں تھیں۔ دوسری چیز یہ کہ اس غربت نے بیوروکریسی کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔ جس کے بارے میں کیٹ ملٹ (Kate Millitt) نے لکھا تھا کہ ''مارکسزم سر کے بل کھڑا ہو گیا۔'' بیوروکریسی نے خاندان کو ''اشتراکی'' ادارے کے طور پر عظمت بخشی۔ اور خاندان کی ظالمانہ، تحکمانہ فطرت کو اپنے اقتدار کو سہارا دینے کیلئے استعمال کیا۔

ان اقتباسات میں ٹراٹسکی کا ثقافت کی ترقی اور انسانی شخصیت کی عظمت کی ضرورت پر زور، بنیادی طور پر اسی معاشی اور ثقافتی پس ماندگی سے جنم لیتا ہے۔ ٹراٹسکی نے جن ٹوٹے پھوٹے گھروں، شراب نوشی کے مسائل جو انسانی رشتوں میں زہر گھول رہے تھے۔ بے گھر بچوں اور طوائفوں کی بہت بڑی تعداد کے حوالے دیئے ہیں، یہ سب انسانوں کے وحشیانہ پن کی غمازی ہے اور اس کی ذمہ دار معاشی ابتری ہے۔ توہم پرستی اور روایتی رویے خواتین میں زیادہ رائج تھے چونکہ وہ سب سے زیادہ مظلوم تھیں۔ مثال کے طور پر جب بچوں کی نگہداشت کے مراکز قائم ہوئے تو پہلے پہل بہت سی دیہی خواتین بلکہ شہری خواتین کا رویہ بھی ان مراکز کیلئے مخالفانہ اور بدگمانی پر مبنی تھا۔

انتہا درجے کی پس ماندگی اور تحریک آزادی نسواں کی کمی ٹراٹسکی کے بار بار

لفظ ''ماں'' اور ''بیوی'' کے استعمال سے عیاں ہے۔ لفظ ''ماں'' اور ''بیوی'' کا مطلب عورت ہی ہے ۔ٹراٹسکی ماں اور بچوں کو ایک ہی خانے میں رکھتا ہے چونکہ خواتین اور بچوں کا معاشی انحصار مکمل طور پر باپ پر تھا۔

ان تمام تحریروں میں ٹراٹسکی اس حقیقت پر زور دیتا ہے کہ آزادی نسواں کیلئے پہلی لازمی شرط صرف سوشلسٹ انقلاب ہے۔ ایک اور عنصر مادی دولت اور سماج کی تکنیکی ترقی ہے۔سوویت یونین میں یہی مسئلے کا سب سے مشکل پہلو تھا۔ روسی انقلاب محض سرمایہ داری کے خلاف انقلاب نہیں تھا' یہ جاگیرداری اور زار شاہی کے خلاف بھی انقلاب تھا۔ اور ترقی یافتہ سرمایہ دار ممالک کی ہمعصری کیلئے 'زمینی اصلاحات کے نفاذ اور صنعت کی تعمیر سے اس کا آغاز کرنا پڑا تھا۔ اور جب تک ان کی تکمیل ہوتی عوام کے درمیان اشتراکی رشتوں کی کوئی بنیادیں موجود نہیں تھیں۔ (مثلاً ہر ایک کی ضروریات کے مطابق یا اجتماعی رہن سہن کے انتظامات وغیرہ)

سوشلسٹ انقلابات عمومی طور پر پس ماندہ ممالک میں برپا ہوئے ہیں۔ یہی بنیادی وجہ ہے کہ کوئی بھی ملک ایسا نہیں جو سوشلسٹ انقلاب کے ذریعے آزادی نسواں کا نمونہ (Model) پیش کر سکے۔ ایک سوشلسٹ انقلاب خود کار طریقے سے اشتراکیت کو جنم نہیں دیتا ہے یہ محض ایسی صورتحال کو جنم دیتا ہے جو اشتراکیت کی تعمیر کو ممکن بناتی ہے۔ٹراٹسکی نے سوویت یونین کا امتیازی وصف یوں بیان کیا تھا کہ یہ ایک ابتدائی حکومت ہے۔ یہ سرمایہ دارانہ نظام سے اشتراکیت کی طرف سفر کے درمیان عبوری حکومت ہے۔ بعض حوالوں سے ---- اور یقیناً خواتین کے حوالے سے ابھی تک سوویت یونین سوشلزم کی نسبت سرمایہ داری کے زیادہ قریب ہے۔ یہاں تک کہ موجودہ صورتحال میں بھی معقول حد تک صنعت کاری کا کام جاری ہے

''جنسی سیاست'' (Sexual Politics) میں کیٹ ملٹ Kate Millett اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کرتی ہے کہ سوویت یونین میں بیوروکریسی کیوں کامیاب ہوئی ؟ وہ بالکل صحیح نشان دہی کرتی ہے کہ سوویت یونین میں

خواتین آزادی سے بہت دور ہیں۔ اور انکی پوزیشن بنیادی طور پر اب بھی ویسی ہی ہے جیسی سرمایہ دارانہ ممالک میں خواتین کی ہے۔ لیکن اس کا تجزیہ غیر مناسب ہے چونکہ وہ رد انقلاب کو خاندان میں تلاش کرنے کی کوشش کرتی ہے اور عمومی سیاسی رد انقلاب سے اسے کاٹ کر الگ کر دیتی ہے جس نے سوویت زندگی کے ہر پہلو کو متاثر کیا تھا۔ وہ یہ نتیجہ اخذ کرتی ہے کہ خواتین کی حیثیت اور خاندانی زندگی میں رد انقلاب کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ مارکسی نظریہ جنسی انقلاب کیلئے نظریاتی بنیاد مہیا کرنے میں ناکام ہو چکا تھا۔ اور یہ قبائلی، سرداری نظام کی تاریخی اور نفسیاتی طاقت کی نسبت غیر معمولی طور پر سادہ اور معصومانہ تھا۔ (صفحہ 169) پر کیٹ ملٹ آگے چل کر مزید لکھتی ہیں کہ:

علاوہ ازیں اس بات کا کوئی احساس ہی نہیں تھا کہ جنسی انقلاب کیلئے اگر ٹھوس کاوشیں کی جاتیں تو حقیقی امتحان رویوں میں تبدیلی کا ہوتا (صفحہ 170)

کیٹ ملٹ کہتی ہے کہ ٹراٹسکی نے ''انقلاب سے غداری'' میں خاندان کے قبائلی، سرداری نظام کی طرف پلٹا کھانے کو بڑی سختی سے رد کیا ہے۔ لیکن وہ یہ بھی کہتی ہے کہ 1936ء میں اس واقع کے ہو جانے کے بعد ٹراٹسکی کو اس کا ادراک ہوا۔ (صفحہ 170)

اگرچہ یہ زیادہ سود مند ثابت ہوتا اگر انقلاب کے قائدین جنسی انقلاب کے عوامل کا گہرائی سے ادراک رکھتے یہ غیر متوازی تجزیہ ہوگا کہ اگر افسر شاہی کی فتح کی وجوہات ہم اس کمی میں تلاش کریں۔

پس ماندہ رویے جو روایتی قبائلی خاندان سے ورثے میں ملے تھے، انقلاب کی قیادت ان سے لڑنے کی چاہے جتنی بھی کوشش کرتی اس سے کچھ فرق نہ پڑتا۔ سوویت خواتین کیلئے حقیقی مستقل ترقی کا احساس اس وقت تک ناممکن تھا جب تک کہ وہ پرانا گھریلو نظام جس نے انہیں قید کر رکھا تھا اور جس کے باعث وہ اپنے شوہروں کی محتاج تھیں، کو بدلنے کیلئے اقدامات نہیں کئے جاتے۔ آخری تجزیے میں بنیادی ضرورت اداروں کو بدلنے کی ہے جو انسانی رویوں کو متاثر کرتے ہیں اور انکا تعین کرتے ہیں۔ لینن اور ٹراٹسکی کے دور کا بالشویک پروگرام بالکل

درست تھا: نجی خاندانی گھریلو اشیاء کو تبدیل کر کے اجتماعی رہن سہن کے طریقوں کے ذریعے خواتین کو گھریلو غلامی سے نجات دلانا ہے۔ بدقسمتی سے سوویت یونین کے حقیقی ذرائع ناکافی تھے اس لئے بالشویکوں کے پروگرام کا تیز ترین اطلاق نہ ہو سکا۔

ٹراٹسکی خواتین اور خاندان سے متعلق پس ماندہ رویوں کی تبدیلی سے بہت دلچسپی رکھتا تھا اور اس کی یہ دلچسپی اس کتابچے کے اقتباسات سے عیاں ہے۔ اس نے یہ جانچ لیا تھا کہ رویوں اور عمل کی تبدیلی کیلئے خواتین کو مخصوص کردار دیکر منظم کیا جا سکتا ہے۔ یہ بات خاص طور پر 1925ء میں اس کی ایک تقریر سے ظاہر ہوتی ہے جہاں وہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ پرانے رشتوں کو بدلنے کیلئے خواتین کو قلعہ شکن (Battering-ram) مشین کی طرح ہونا چاہئے۔

ٹراٹسکی کی 1936ء کی کم فہمی کے بارے میں ملٹ (Millett) کی رائے بھی ہدف سے ہٹ کر ہے۔ ٹراٹسکی سٹالنسٹ رجعت پسندی کا مخالف تھا جو 923 1ء میں پہلی بار نمودار ہونا شروع ہوئی۔ ٹراٹسکی نے اپنی باقی ماندہ زندگی بشمول اپنی زندگی کے' اس پختہ جدوجہد کی نظر کر دی جو عالمی محنت کش تحریک اور سوویت سماج کی ہر سرگرمی میں سٹالنزم کے پنپنے کے خلاف تھی۔ اس سے قبل 1927ء سے ہی ٹراٹسکی لیفٹ اپوزیشن کے پلیٹ فارم سے سوویت حکومت سے ان معمولی چیزوں کی محنت کشوں کو واپسی کا مطالبہ کر رہا تھا جو ان سے چھین لی گئی تھیں مثلاً ڈے کیئر نرسریاں' ٹرام ٹکٹ اور لمبی چھٹیاں وغیرہ وہ ہمیں بہر صورت بحال کرانی چاہئیں'' ٹراٹسکی نے 1936ء سے ایک دہائی قبل سٹالنسٹ بیوروکریسی کی فتح سے خبردار کیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ یہ انقلاب کی تمام سماجی فتوحات کو خطرے میں ڈال دے گی اور روس میں ماقبل انقلاب کے بدترین حالات کو پھر سے جلا بخشے گی۔ ٹراٹسکی نے اس دور اندیش پیش گوئی میں خواتین کے حالات کو نظر انداز نہیں کیا تھا۔

اگر ملٹ (Millett) کی رائے کا مقصد یہ ہے کہ ٹراٹسکی نے جو 1936

ء میں تنقید کی تھی وہ اسے پہلے کر دینی چاہئے تھی تو یہ ایک غیر تاریخی استدلال ہوگا۔ سیاسی ردانقلاب ایک عمل' ایک طریقہ کار تھا جو محض 1930 ء کی دھائی میں ہی استوار اور مستحکم ہوا۔ 1920 ء کی دھائی میں انقلاب کی زوال پذیری کا مصنوعی اندازہ کرنا قطعی غلط ہوتا۔ اگر کسی دوسرے ملک میں ایک کامیاب انقلاب برپا ہوتا تو وہ انقلاب سوویت یونین کے اندر انقلابی قوتوں کو مستحکم کرتا اور سٹالنسٹ فتح کی استواری کو ممکنہ طور پر روک دیا ہوتا۔ آج 1917 ء کے انقلاب کے تسلسل کی ضرورت ہے تاکہ اس کی تکمیل کی جا سکے۔ آج ایک سیاسی انقلاب کی ضرورت ہے جو موجودہ رجعتی' مراعات یافتہ افسر شاہی کی قیادت کو اکھاڑ پھینکے جو سوویت یونین پر براجمان ہے۔ آج ایک ایسے سیاسی انقلاب کی ضرورت ہے جو بشمول آزادی نسواں اور خاندان کی تبدیلی کے ایک انقلابی پیش منظر اور محنت کشوں کی جمہوریت کو بحال کر سکے۔

اس عمل کا آغاز پہلے ہی 1955 ء کی مشرقی برلن کی بغاوت' 1956 ء کے ہنگری کے انقلاب اور 1968 ء کے چیکوسلواکیہ کے ابھار میں دیکھا جا سکتا ہے۔ بذات خود سوویت یونین کے اندر بھی زیرزمین اختلاف رائے اور بغاوت پائی جاتی ہے جو سب سے زیادہ اختلاف رائے رکھنے والے اور باغی قسم کے مصنفین کی تحریروں سے عیاں ہے۔ ان میں سے بعض مصنفین کی تحریروں میں خاندان کیلئے بیوروکریسی کی رجعتی پالیسی پر کڑی تنقید ملتی ہے۔ مثلاً سولزہنٹین (Solzhenitsyn) اپنے ناول ''پہلا دائرہ'' (The First Circle) میں لکھتا ہے:

''ڈیشا (Dasha) اپنا تھیسز (Thesis) تیسری بار شروع کر رہی تھی۔ اس کا پہلا موضوع ''سوشلزم میں خوراک کی تقسیم کا مسئلہ'' تھا۔ یہ موضوع 20 برس قبل تو بہت واضح تھا جب ہر کوئی' بشمول ڈیشا کے یہ بخوبی جانتا تھا کہ خاندانی کچن قصہ پارینہ بن چکا ہے اور آزاد خواتین اپنا ناشتہ اور دوپہر کا کھانا اجتماعی ریستورانوں میں کھاتیں ہیں۔ لیکن ان 20 سالوں میں یہ'' موضوع ''بہت مبہم بلکہ خطرناک ہوگیا تھا۔ یقیناً اب کون اجتماعی ریستورانوں میں کھانا

کھاتا تھا؟----مثال کے طور پر ڈیشا بذات خود کبھی انتہائی مجبوری کے عالم میں ایسا کرتی تھی۔

اجتماعی کھانے کی محض دوصورتیں فروغ پا رہی تھیں: مہنگے ریستوران----جہاں اشترا کی اصولوں اور قواعد کا اظہار نہیں ہوتا تھا----اور چھوٹے سستے مے خانے جہاں صرف ''واڈکا'' فروخت ہوتی تھی۔ کاغذوں میں اب بھی اجتماعی ریستوران موجود تھے چونکہ گذشتہ 20 سالوں سے ''عظیم سٹالن'' خوراک کی تقسیم کے موضوع پر اپنا گلا پھاڑ رہا تھا اس لئے اس موضوع پر اپنی رائے کا اظہار کرنا خطرناک تھا۔'' (صفحہ 323)

سوویت یونین میں اپوزیشن اور بغاوتی تحریکیں سوویت خواتین کے مفادات کی نمائندگی کرتی ہیں۔ لارسا دانیال جیسی خواتین جنہوں نے سوویت یونین کے چیکو سلواکیہ پر حملے کے خلاف ماسکو کے ریڈ سکوائر (Red Square) کے مظاہرے میں شرکت کی تھی' آج اختلاف رائے رکھنے والوں میں ویسے ہی نمایاں ہیں جیسے ان کے آباؤ اجداد 1917ء کے انقلاب کو جنم دینے میں نمایاں تھے۔

اب جب کہ پوری دنیا میں آزادی نسواں کی تحریکیں ابھر رہی ہیں تو یہ بات ناقابل فہم ہے کہ سوویت یونین میں بھی ایسی کوئی تحریک نہیں ابھرے گی یا پھر یہ کہ وہاں اب جو سیاسی انقلاب جنم لے رہا ہے یہ اس میں کوئی نمایاں کردار ادا نہیں کرے گی۔ سوویت یونین کے تجربات سے ایک سبق سیکھا جانا چاہئے کہ سوشلسٹ انقلاب سے قبل اور سوشلسٹ انقلاب کے دوران جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ خواتین کو منظّم کرنا ہے تاکہ وہ انقلاب کے اندر اپنا زیادہ سے زیادہ کردار ادا کرنے کے قابل ہوسکیں (ٹراٹسکی کے الفاظ میں یہ کہ وہ قلعہ شکن مشین بن سکیں) اس یقین کے ساتھ کہ ان کی ضروریات اور امنگوں کی تشفی ہوئی ہے اور انہیں ماتحت نہیں رکھا گیا۔ یہ وہ سبق ہے جس کا اطلاق دنیا کے ہر ملک پر ہوتا ہے----صرف ان ملکوں میں ہی نہیں جہاں سوشلسٹ انقلاب کو زندہ کیا جانا ہے یا جہاں اس کی بگڑی ہوئی صورت کو درست کرنا ہے بلکہ ہمارے ملک جیسے

دوسرے ملکوں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جہاں ابھی سوشلسٹ انقلاب کا آغاز ہونا ہے۔

(15 اکتوبر 1970ء)

اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں میگزین کا ایک آرٹیکل بھی شامل ہے جو ٹراٹسکی نے 1932ء میں ان سوالات کے جواب میں لکھا تھا جو میگزین نے ٹراٹسکی سے سوویت یونین کو تسلیم کرنے کی امریکی تجاویز کے بارے میں کیے تھے وہ تجاویز سوویت زندگی پر کافی بحث کی متقاضی تھیں۔

''پرانے خاندان سے نئے خاندان تک''

یہ آرٹیکل 13 جولائی 1923ء میں ''پراودا'' میں شائع ہوا تھا۔اس کا پہلا انگریزی ترجمہ زیڈ ونجیروا (Z.Vengerove) نے کیا جو 1924ء میں ''زندگی کی مشکلات'' میں شائع ہوا تھا۔

خاندان کے اندرونی رشتوں اور واقعات کی چھان بین ان کی فطرت کے اعتبار سے سب سے مشکل ہوتی ہے۔ اس لئے یہ کہنا آسان نہیں ہے کہ آجکل خاندانی بندھن پہلے کی نسبت (حقیقی زندگی میں' صرف اخبارات میں نہیں) اتنی آسانی سے اور پے در پے کیوں ٹوٹتے ہیں۔ بڑی حدتک ہمیں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر کے مطمئن ہو جانا چاہیے۔مزید یہ کہ انقلاب سے قبل اور موجودہ وقت میں فرق یہ ہے کہ پہلے محنت کش طبقے کے خاندانوں کی ڈرامائی کشمکش اور مشکلات ان کی اپنی سمجھ میں آئے بغیر گزر جایا کرتیں تھیں جبکہ اب محنت کشوں کا بالائی حصہ ذمہ دار عہدوں پر فائز ہے۔ان کی زندگی شہرت کی حامل ہے اور ان کی زندگی کا ہر گھریلو المیہ بہت زیادہ تبصرے اور تنقید کا عنوان بن جاتا ہے بلکہ اکثر بے کار گپ شپ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

تاہم اس سے انکار نہیں کہ بشمول پرولتاریہ طبقے کے' تمام خاندانی رشتے بکھر گئے ہیں۔ ماسکو میں پارٹی پراپیگنڈسٹس 2(Propagandists) کی کانفرنس میں اس حقیقت کو ٹھوس انداز میں پیش کیا گیا تھا مگر کسی نے بھی اس کے خلاف کچھ

نہیں کہا۔ وہ سب محض مختلف انداز میں اس سے متاثر ہوئے---- ہر کوئی اپنے انداز میں متاثر ہوا۔ کچھ نے اسے بہت مشکوک انداز میں دیکھا۔بعض نے محتاط رویہ اختیار کیا اور بعض ایسے تھے جو حیران و پریشان دکھائی دیتے تھے۔ پھر بھی سب پر ایک بات ضرور عیاں تھی کہ کوئی بہت بڑا عمل جاری وساری ہے جو ایک پر اختلال کیفیت اختیار کئے ہوئے ہے جیسے نکتہ چینیاں' بغاوتیں وغیرہ۔لیکن ایک نئ اعلیٰ پیمانے کی خاندانی زندگی کے آغاز کیلئے اور پوشیدہ امکانات کو آشکار کرنے کیلئے ابھی وقت نہیں تھا۔

خاندانی ٹوٹ پھوٹ کے متعلق کچھ خبریں چپکے سے پریس تک پہنچ جاتیں مگر یہ کبھی کبھار اور بہت ہی مبہم انداز میں ہوتا۔ایک آرٹیکل میں اس موضوع پر میں نے پڑھا تھا کہ محنت کش طبقے کے اندر خاندان کا خاتمہ ''پرولتاریہ پر بورژوا اثرورسوخ'' کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

یہ بات اتنی سادہ نہیں ہے۔اس سوال کی جڑیں بہت گہری اور کہیں زیادہ پیچیدہ ہیں۔ ماضی اور حال کی بورژوازی کا اثر یقیناً موجود ہے مگر سب سے اہم عمل پرولتاریہ خاندان کا اپنا وہ تکلیف دہ ارتقاء ہے جو اسے بحرانوں تک لے آیا ہے۔ اور ہم اب اس عمل کی پہلی پرانتشار کیفیت کو دیکھ رہے ہیں۔

خاندان پر جنگ کا تباہ کن اثر بھی ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ جنگ خاندان کو خود کار طریقے سے منتشر کر دیتی ہے۔لوگوں کو لمبے عرصے کیلئے جدا کر دیتی ہے یا اتفاقاً انہیں ملا دیتی ہے۔ جنگ کا یہ تاثر جاری رہا تھا جسے انقلاب نے تقویت بخشی۔ جنگ کے سالوں نے وہ سب کچھ منتشر کر دیا جو تاریخی روایات کے جمود کی وجہ سے کھڑا تھا۔ جنگ کے سالوں نے زارشاہی کی طاقت' مراعات یافتہ طبقات اور پرانے روایتی خاندان سب کو بکھیر دیا تھا۔ انقلاب کا آغاز نئ ریاست کی تعمیر سے ہوا۔ اوراس نے بہت ہی معمولی مگر انتہائی ناگزیر مقاصد حاصل کئے۔

اس لئے مسئلے کا معاشی پہلو بہت پیچیدہ ثابت ہوا۔ جنگ نے پرانے معاشی نظام کو ہلا کر رکھ دیا اور انقلاب نے اسے اکھاڑ پھینکا۔اب ہم ایک نئے معاشی نظام کی تعمیر کر رہے ہیں۔ معاشی میدان میں ہم ابھی ابھی تباہ حال دور سے نکلے

ہیں اور ابھی ابھی ابھرنا شروع کیا ہے۔ ہماری ترقی کی رفتار ابھی تک بہت سست ہے اور نئی اشترا کی معاشی زندگی کی حاصلات ہنوز بہت دور ہیں۔لیکن یقیناً ہم تباہی اور بربادی کے دور سے نکل آئے ہیں۔ سب سے زیادہ پستی کا دور 1920-21ء کا تھا۔

خاندانی زندگی کے اندر سے ابھی پہلے تباہ کن دور کا خاتمہ نہیں ہوا۔انتشار کا عمل ابھی تک عروج پر ہے۔ہمیں اسے ذہن میں رکھنا چاہئے۔خاندانی اور گھریلو زندگی ابھی تک 1920-21ء کے دور سے گزر رہی ہے اور 1923ء کے معیار تک ابھی نہیں پہنچی۔معیشت کی نسبت گھریلو زندگی کہیں زیادہ رجعتی ہے۔اور اس کی ایک وجہ آگہی اور شعور کا فقدان ہے۔

سیاست اور معیشت میں محنت کش طبقہ اجتماعی طور پر عمل کرتا ہے اور پرولتاریہ کے تاریخی مقاصد کی تکمیل کرتے ہوئے یہ اگلی صف میں اپنے محافظ دستے (کمیونسٹ پارٹی) کو آگے کی سمت دھکیلتا ہے۔گھریلو زندگی میں محنت کش طبقہ ان خلیوں میں تقسیم ہو جاتا ہے جو خاندان پر مشتمل ہوتے ہیں۔سیاسی حکومت کی تبدیلی، ریاست کے معاشی نظام میں تبدیلی، فیکٹریوں اور ملوں کا محنت کشوں کے ہاتھوں میں آنا----ان سب نے یقیناً خاندان کے حالات پر اثر ڈالا تھا مگر محض بالواسطہ اور بیرونی طور پر اور بغیر ان گھریلو روایات کو چھوڑے جو ماضی سے ورثے میں ملیں تھیں۔

خاندان کی بڑے پیمانے کی اصلاح اور زیادہ عمومی طور پر گھریلو زندگی کی ترتیب، محنت کش طبقے کی طرف سے بہت بڑی شعوری جدوجہد اور طبقے کے اپنے اندر ثقافت اور ترقی کے لئے خواہش کی طاقتور متحرک قوت کے وجود کی متقاضی ہے۔مٹی کے بھاری ڈھیلوں کو الٹنے پلٹنے کیلئے زیادہ گہرے ہل کی ضرورت ہے۔ سوویت ریاست کے اندر مرد و زن کی سیاسی برابری کو عملی جامہ پہنانا ایک مسئلہ تھا۔لیکن اس سے بڑا مسئلہ ٹریڈ یونینز، فیکٹریوں اور ملوں کے اندر مرد و خواتین کی صنعتی مساوات کا تھا کہ کہیں صنعتی مساوات کے نفاذ میں مردوں کو عورتوں پر فوقیت نہ مل جائے۔لیکن خاندان کے اندر مرد و خواتین کی حقیقی برابری کا حصول بے حد

مشقت طلب مسئلہ ہے ۔ ہمیں تمام گھریلو عادات کو یکسر بدلنے کی ضرورت ہے ۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ جب تک گھر کے اندر بیوی اور شوہر کی حقیقی برابری نہیں ہوتی تو ہم سماجی کام کاج اور سیاست میں ان کی برابری کے بابت سنجیدگی سے کچھ نہیں کہہ سکتے ۔ جب تک عورت سلائی کڑھائی' کھانے پکانے' خاندان کی دیکھ بھال اور دوسرے امور خانہ داری کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے' اس وقت تک سیاسی زندگی یا سماجی سرگرمیوں میں اس کے حصہ لینے کے مواقع نہ ہونے کے برابر ہیں ۔

سب سے آسان ترین مسئلہ طاقت کا حصول تھا مگر اسی ایک مسئلے نے انقلاب کے ابتدائی دور میں ہماری تمام تر قوتوں کو اپنے اندر جذب کر لیا ۔ یہ لامحدود قربانیوں کا متقاضی تھا ۔ خانہ جنگی نے حتی المقدور شدت اور سخت گیری کو جنم دیا ۔ بیہودہ اجڈ اور ناشائستہ لوگ چیخ اٹھے کہ یہ اخلاقی بربریت ہے ۔ پرولتاریہ خونی اور بدکار ہو گیا ہے وغیرہ وغیرہ ۔ حقیقت میں جو ہو رہا تھا وہ یہ تھا کہ پرولتاریہ انقلابی طاقت کی شدت کے ذرائع اپنے ہاتھوں میں لے کر ایک نئی ثقافت اور حقیقی انسانی اقدار کی جدوجہد کی راہنمائی کر رہا تھا ۔

پہلے چار پانچ سالوں میں ہم خوفناک معاشی ابتری کے دور سے گزرے ہیں ۔ پیداوار کا انہدام ہو گیا اور پھر پیدا شدہ اشیاء بھی خوفناک حد تک گھٹیا معیار کی تھیں ۔ دشمنوں نے اس سارے عمل کو سوویت حکومت کے گلنے سڑنے کا نشان سمجھا ۔ تاہم حقیقت میں یہ پرانے معاشی نظام کی تباہی کا ناگزیر مرحلہ تھا اور ایک نئے معاشی نظام کی تخلیق کی (بے یارومددگار) کاوشیں تھیں ۔

جہاں تک خاندانی رشتوں اور عمومی انفرادی زندگی کے طور طریقوں کا تعلق ہے تو پرانی چیزوں کے انتشار کیلئے ایک ناگزیر دور ہونا چاہیے تھا ۔ جیسا کہ ورثے میں ملی ہوئیں روایات جو سوچوں کے قابو میں نہیں آئیں تھیں ۔ لیکن گھریلو زندگی کے میدان میں تباہی و بربادی اور تنقید کا دور ذرا دیر سے شروع ہوا اور لمبا عرصہ جاری رہا ۔ اور اس نے غیر صحت مندانہ اور المناک صورتیں اختیار کیں جو بہت پیچیدہ تھیں اور سطحی مشاہدے سے سمجھ میں آنے والی نہیں تھیں ۔ عمومی زندگی'

معیشت اور ریاستی حالات کی تشویشناک تبدیلی کے یہ ترقی پسند سنگ میل واضح انداز میں بیان کئے جانے چاہئے تھے تا کہ وہ عجیب وغریب واقعات جن کا ہم نے مشاہدہ کیا ان سے بچا جا سکتا۔ہمیں ان کے درست انداز میں تجزیئے کا ادراک ہونا چاہیے۔محنت کش طبقے کی بالیدگی میں ان کے درست مقام کو سمجھنا چاہئے۔اور شعوری طور پر نئی صورت حال کو زندگی کے اشترا کی طرزِ عمل کی سمت موڑنا چاہئے۔

تنبیہ ناگزیر ہے۔ جیسا کہ ہمیں پہلے ہی خطرے کی نشاندہی کرتی ہوئیں آوازیں سنائی دیتی ہیں۔''ماسکو پارٹی پراپیگنڈسٹس'' کی کانفرنس کے موقع پر کچھ کامریڈز نے بڑی بے تابی کے ساتھ کہا کہ نئے رشتوں کی خاطر بہت بڑی تعداد میں پرانے خاندانی بندھن ٹوٹ گئے ہیں۔تمام تر صورتوں میں ماں اور بچے ہی قربانی کا بکرا بنے ہیں۔دوسری طرف ہم میں سے کون ہے جس نے نجی گفتگو میں سوویت کے نوجوانوں کے درمیان' خاص کر کومسومولز (Komsomols) کے اندر اخلاقی انہدام کی شکایات نہیں سنیں۔ان شکایات میں سب کچھ مبالغہ آرائی ہی نہیں بلکہ کچھ سچ بھی ہے۔اس سچ کے تاریک پہلوؤں کے خلاف ہمیں یقیناً لڑنا چاہیے اور ہم لڑیں گے بھی۔ یہ جنگ انسانی شخصیت کی بلندی اور اعلیٰ پیمانے کی ثقافت کے حصول کیلئے جنگ ہے۔لیکن اپنا کام شروع کرنے کیلئے ' جذباتی مغمومیت یا رجعتی وعظ ونصیحت کے بغیر مسئلے کی الف' ب کو سلجھانے کیلئے ہمیں سب سے پہلے حقائق کا یقین کر لینا چاہئے اور یقیناً جو کچھ ہو رہا ہے اسے واضح انداز میں پرکھنا چاہئے۔

جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں۔دیوہیکل واقعات خاندان پر پرانی صورتوں (جنگ اورانقلاب) میں نازل ہوئے ہیں۔اوران کے پیچھے پیچھے زیر زمین آہستہ آہستہ رینگتا ہوا چھچھوندر---- ایک تنقیدی سوچ' خاندانی رشتوں کی اہمیت کا ایک شعوری مطالعہ۔یہ دیوہیکل واقعات کی میکانی طاقت تھی جو بیدار مغز کی تنقیدی طاقت کے ساتھ یکجا تھی جس نے خاندانی رشتوں کے اندراس تباہی و بربادی کے دور کو جنم دیا جو ہم اب دیکھ رہے ہیں۔روسی محنت کش طبقے کو طاقت پر فتح کے بعد اب زندگی کے مختلف پہلوؤں میں ثقافت کے فروغ کیلئے اپنے پہلے شعوری

اقدامات کرنے چاہیے۔ اس عظیم تصادم کی تحریک اور جذبے کے زیر اثر محنت کش کی شخصیت نے پہلی بار زندگی کی تمام روایتی صورتوں' تمام گھریلو طور طریقوں اور عادات' گرجے کی رسومات وقواعد اور تمام رشتوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔

اس میں حیرانگی کی کوئی بات نہیں کہ شروع شروع میں انفرادی احتجاج اور ماضی کی روایات کے خلاف بغاوت کو انارکی سمجھا گیا یا انتہائی ناشائستہ آوارگی تصور کیا گیا۔ ہم نے سیاست' فوجی معاملات اور معیشت میں طوائف الملوکانہ انفرادیت کی انتہا پسندی اور کٹر پن عوامی جلسوں کی فصیح و بلیغ زبان میں دیکھا ہے۔ اور اس میں بھی کوئی حیرت کی بات نہیں کہ اس عمل کا انتہائی گہرے اور تکلیف دہ انداز میں خاندانی رشتوں پر ردعمل ہوا ہے۔ ایک بیدار شخصیت ہے جو نئے انداز میں تنظیم نو چاہتی ہے۔ پرانی گھسی پٹی پگڈنڈیوں سے ہٹ کر اس خاندانی انتشار کی شاہراہ کی طرف رجوع کر رہی ہے جسے ماسکو کانفرنس میں بدکار' بداعمال اور اعلانیہ مجرم ٹھہرایا گیا۔

شوہر' رائے عامہ کی بیداری کی وجہ سے اپنے عمومی ماحول سے کٹ جاتا ہے۔ بلدیاتی محاذ پر ایک انقلابی شہری بنتا ہے۔ یہ بہت اہم تبدیلی ہے۔ اس کا نقطہ نظر وسیع ہے۔ اس کی آرزوئیں اور تمنائیں بڑی بلند اور پیچیدہ نوعیت کی ہیں۔ وہ ایک مختلف آدمی ہے۔ اور وہ ہر چیز کی مکمل عملی تبدیلی کی تلاش میں ہے۔ گھر کے افراد اور خاندانی رشتوں کے ساتھ پرانی ہم آہنگی ختم ہوگئی ہے۔ کوئی نئی ہم آہنگی پروان نہیں چڑھی۔ باہمی اعجاز آفرینی باہمی عدم اطمینانی میں بدلتی ہے اور پھر نفرت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ خاندان بکھر جاتا ہے۔

شوہر ایک کمیونسٹ ہے۔ وہ ایک سرگرم زندگی بسر کرتا ہے۔ سماجی کام کاج میں مصروف ہے۔ اس کی ذہنی نشوونما ہوتی ہے۔ اس کی نجی زندگی اس کے اپنے کام میں غرق ہے۔ لیکن اس کی بیوی بھی ایک کمیونسٹ ہے۔ وہ سماجی کام کاج کرنا چاہتی ہے۔ عوامی جلسوں میں جانا چاہتی ہے۔ یونین یا سوویٹ میں کام کرنا چاہتی ہے۔ اس سے قبل کہ انہیں آگہی ہو۔ گھریلو زندگی کا وجود عملی طور پر ختم ہوتا جاتا ہے۔ گھریلو فضا کی عدم موجودگی کا نتیجہ مسلسل تصادم ہوتا ہے۔ شوہر اور بیوی میں

اختلاف رائے جنم لیتا ہے۔خاندان ٹوٹ جاتا ہے۔

شوہر کمیونسٹ ہے بیوی کا کسی پارٹی سے کوئی تعلق نہیں۔شوہر اپنے کام میں غرق ہے۔ بیوی پہلے کی طرح محض گھر کی دیکھ بھال کرتی ہے۔تعلقات ''پرامن'' ہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ تعلقات کا انحصار حسب معمول اجنبیت پر ہے۔لیکن شوہر کی کمیٹی --کمیونسٹ ''سیل'' ----فرمان جاری کرتی ہے کہ اسے اپنے گھر میں ان بزرگوں کی تصویریں جنہیں اس نے خود مقدس بنا رکھا ہے' اتار دینی چاہیے۔ وہ فطری طور پر رضامند ہے۔لیکن اس کی بیوی کیلئے یہ ایک سانحہ ہے۔ یوں ایک چھوٹا سا واقعہ اس اتھاہ گہرائی کو آشکار کرتا ہے جو بیوی خاوند کے ذہنوں کو جدا کر دیتی ہے۔تعلقات غارت ہوجاتے ہیں۔خاندان بکھر جاتا ہے۔

ایک پرانا خاندان ہے۔دس پندرہ سال اجتماعی زندگی بسر کی ہے۔شوہر ایک اچھا ورکر ہے۔اپنے خاندان کیلئے مکمل طور پر وقف ہے۔ بیوی بھی اپنے گھر کیلئے زندہ ہے۔اپنی تمام تر توانائیاں گھر کو سونپ دیتی ہے۔لیکن محض اتفاقاً خواتین کی کمیونسٹ تنظیم سے اس کا تعلق بن جاتا ہے۔اس کی نگاہوں کے سامنے ایک نئی دنیا کھلتی ہے۔اس کی توانائیاں ایک نیا اور وسیع مقصد تلاش کر لیتی ہیں۔خاندان نظرانداز ہوجاتا ہے۔شوہر برہم ہوتا ہے۔ بیوی کے شعور کی نئی بیداری کو ٹھیس پہنچتی ہے۔خاندان ٹوٹ کر بکھر جاتا ہے۔

ایسے تمام گھریلو المیوں کی مثالوں کا ایک ہی انجام ہے---- خاندان کی ٹوٹ پھوٹ ---- اور یہ لامحدود ہے۔ ہم نے بہت ہی مخصوص صورتوں کی نشاندہی کی ہے۔ ہماری تمام مثالوں میں المیے کا باعث کمیونسٹ اور غیر پارٹی عناصر کے درمیان ٹکراؤ ہے۔لیکن خاندانی ٹوٹ پھوٹ ----میرے کہنے کا مطلب ہے پرانی طرز کے خاندان کا انتشار' طبقے کے محض بالائی حصے تک ہی محدود نہیں ہے۔ خاندانی رشتوں میں ٹوٹ پھوٹ کی تحریک بہت گہرائی تک سرائیت کرتی ہے۔کمیونسٹ محافظ دستے کا دھیان محض ان چیزوں کی طرف ہوتا ہے جو مجموعی طور پر طبقے کیلئے ناگزیر ہوتی ہیں۔ پرانے حالات کی طرف عیب جو رویہ اور خاندان پر نئے دعوے' مجموعی طور پر کمیونسٹ اور محنت کش طبقے کے درمیان بارڈر

لائن سے بہت پرے پھیلے ہوئے ہیں۔

مرضی کی شادی کا رواج اس روایتی مقدس خاندان کیلئے ایک بہت بڑا تھپڑ تھا جو زیادہ تر دکھلاوے کیلئے زندہ تھا۔ پرانی شادی کے بندھنوں میں باہمی ربط کم تھا جبکہ بیرونی طاقتوں کو یکجا کرنے والی قوت' سماجی روایات اور خاص کر مذہبی رسومات زیادہ تھیں۔ چرچ کی طاقت پر جو تھپڑ رسید ہوا وہ خاندان کے لئے ایک زوردار مکا تھا۔ مذہبی رسومات' جن کی کوئی ریاستی شناخت یا منظوری نہیں اور جو یکجہتی کی افادیت سے بھی محروم ہیں' لڑکھڑاتے ہوئے خاندان کو سہارا دینے کیلئے ابھی تک استعمال میں ہیں۔لیکن جب خاندان کے اندر باہمی اتحاد نہیں رہتا' جب محض جمود خاندان کو مکمل انہدام سے بچائے رکھتا ہے تب ہر ایک بیرونی ٹھوکر اسے ٹکڑوں میں بکھیر دینے کیلئے یقینی طور پر کافی ہوتی ہے۔ جب کہ عین اسی وقت یہ مذہبی رسومات کے ساتھ وابستگی پر بھی تھپڑ کی حیثیت رکھتی ہے۔اور بیرونی ٹھوکریں اب پہلے کی نسبت لامحدود اور یقینی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ خاندان لڑکھڑاتا ہے' بحال ہونے میں ناکام رہتا ہے اور پھر گر پڑتا ہے۔زندگی اپنی شرائط پر فیصلہ کرتی ہے۔ اور زندگی بڑے سخت اور تکلیف دہ انداز میں خاندان کو رد کرتی ہے۔تاریخ پرانے درختوں کو کاٹ گراتی ہے----اور ٹکڑے ہوا میں بکھر جاتے ہیں۔

لیکن کیا زندگی نئی طرز کے خاندان کے عناصر کو پروان چڑھا رہی ہے؟ یقیناً ----ہمیں صرف واضح انداز میں ان عناصر کی فطرت اور انکی بناوٹ کے عمل کو سمجھنا چاہئے۔ دوسرے معاملات کی طرح ہمیں طبعی حالات کو نفسیاتی حالات سے اور عمومی حالات کو انفرادی حالات سے الگ کر کے دیکھنا چاہئے۔نفسیاتی طور پر ہمارے لئے نئے خاندان کا ارتقاء اور عمومی طور پر نئے انسانی رشتوں کا مطلب محنت کش طبقے کی ثقافت کی ترقی' انفرادی بہتری' داخلی نظم وضبط اور ضروریات کے معیار کی اٹھان ہے۔ اس پہلو سے انقلاب بذات خود آگے کی طرف ایک بڑا قدم ہے اور خاندان کے انتشار کا یہ بدترین عمل بڑے تکلیف دہ انداز میں طبقے اور طبقے کے اندر انفرادیت کی بیداری کا اظہار ہے۔اس نقطہ نظر سے' ثقافت کے متعلق ہمارا تمام تر کام----وہ کام جو ہم کر رہے ہیں اور جو ہمیں

کرتے رہنا چاہئے' ایک نئے خاندان اور نئے رشتوں کی تیاری ہے۔ انفرادی مرد و زن کے ثقافتی معیار کو بلند کئے بغیر اعلیٰ پائے کے نئے خاندان کا حصول ممکن نہیں۔ اس میدان میں ہم اندرونی نظم وضبط کی بات تو کر سکتے ہیں مگر بیرونی دباؤ اور مجبوری کی نہیں۔ یوں خاندان کے کسی انفرادی شخص کے داخلی نظم وضبط کی قوت' داخلی زندگی کی روشن خیال کی وسعت اور رشتوں کی اقدار کیساتھ مشروط ہے جو بیوی اور شوہر کو باہم متحد رکھتے ہیں۔

نئے خاندان اور نئی زندگی کیلئے ماحول کی تیاریوں کو بنیادی طور پر ایک بار پھر اشتراکیت کی تعمیر کے عمومی کام سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ محنت کشوں کی ریاست کو اتنا دولت مند ضرور ہونا چاہئیے کہ وہ ہر ممکن طور پر بچوں کی تعلیم وتربیت اور خاندان کو باورچی خانے اور لانڈری کے بوجھ سے آزاد کروانے کے اقدامات کر سکے۔ معاشی ترقی کے بغیر بچوں کی تعلیم و تربیت اور گھریلو انتظامات کے اشتراکی طریقوں کا تصور بھی محال ہے۔ ہمیں مزید اشتراکی معیشت کی صورتیں درکار ہیں۔ صرف اسی طور پر ہم خاندان کو ان پریشانیوں اور فرائض منصبی سے آزاد کروا سکتے ہیں جو اسکو دبانے اور اس کے انتشار کا باعث ہیں۔ کپڑوں کی دھلائی عوامی لانڈریوں میں ہونی چاہئے' کھانے پینے کا انتظام عوامی ریستورانوں میں جبکہ سلائی کا کام عوامی دکانوں میں ہونا چاہئے۔ بچوں کی تعلیم وتربیت ایسے اساتذہ کریں جو صحیح معنوں میں پیشہ وارانہ صلاحیتوں کے مالک ہوں۔ تب بیوی شوہر کے درمیان بندھن تمام تر بیرونی اور حادثاتی چیزوں سے آزاد ہوگا۔ اور بیوی یا شوہر میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی زندگی کو غصب نہ کر سکے گا۔ ایک حقیقی برابری اور مساوات کا قیام ہوگا۔ بندھن باہمی محبت پر استوار ہوگا۔ یوں یہ بندھن ایک داخلی توازن حاصل کرے گا جو سب کیلئے نہ تو ایک جیسا ہوگا اور نہ کسی کیلئے لازمی۔

یوں نئے خاندان کی سمت سفر دوہری نوعیت کا ہے۔

(1) محنت کش طبقے اور طبقے کے اندر انفرادی اشخاص کی تعلیم اور ثقافتی معیار کی بلندی۔

(2) طبقے کے مالی حالات کی بہتری۔

ان دونوں عوامل کا ایک دوسرے سے بڑا گہرا ربط ہے۔

مندرجہ بالا بیان کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ ایک معین وقت میں مستقبل کے خاندانک کو مالی خوشحالی کی ضمانت سے اس کو تمام حقوق ایک دم میسر آ جائیں گے۔ نہیں! نئے خاندان کی سمت پیش قدمی ابھی سے ممکن ہے۔ یہ سچ ہے کہ ریاست ابھی نہ تو بچوں کی تعلیم و تربیت اور نہ ہی عوامی باورچی خانوں کے قیام کا بیڑا اٹھا سکتی ہے اور نہ ہی عوامی لانڈریوں کا فوری قیام عمل میں لا سکتی ہے جہاں کپڑے نہ تو پھٹیں اور نہ ہی چوری ہوں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو جرات مند اور ترقی پسند خاندان ہیں وہ ابھی سے گروپ بنا کر اجتماعی گھریلو انتظامات کے یونٹس قائم نہیں کر سکتے۔ اس قسم کے تجربات یقیناً احتیاط سے کئے جانے چاہیں۔ ہر ایک یونٹ' گروپ کے اجتماعی مفادات اور ضروریات کیلئے جواب دہ ہونا چاہئے۔ اور گروپ کے ہر ایک ممبر کو واضح فوقیت دینی چاہیے۔ کامریڈ سیما شکو (Semashko) نے حال ہی میں خاندانی زندگی کی تعمیر نو کی ضرورت پر یوں اظہار خیال کیا ہے:

''یہ کام عملی طور پر زیادہ بہتر کیا جاتا ہے۔ محض احکامات اور وعظ و نصیحت کا اثر بہت کم ہوگا۔ ہزاروں اعلیٰ قسم کے پمفلٹس کی نسبت ایک مثال' ایک عملی وضاحت زیادہ کام دکھائے گی۔ اس عملی پراپیگنڈے کا انتظام سرجن کے اس طریقہ کار کی طرح کیا جا سکتا ہے جسے وہ اپنی پریکٹس میں ٹرانس پلانٹیشن (Transplantation) یا منتقلی کہتا ہے۔ جب جسم کا کوئی حصہ زخم یا جلنے کی وجہ سے جلد سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور جب جلد کی نشو و نما کی کوئی امید بھی باقی نہیں رہتی تو پھر جسم کے صحت مند حصوں سے گوشت کے ٹکڑوں کو کاٹ کر جلد سے محروم جگہوں پر لگا دیا جاتا ہے۔ یوں یہ ٹکڑے وہاں چپک جاتے ہیں اور نشو و نما پانا شروع کر دیتے ہیں حتیٰ کہ تمام زخمی جلد مندمل ہو جاتی ہے ایسا ہی عملی پراپیگنڈے میں ہوتا ہے۔ جب کوئی ایک فیکٹری کمیونسٹ رویے اختیار کرتی ہے تو دوسری فیکٹریاں اس کی تقلید کرتی ہیں۔''

(این سیماشکو (N.Semashko) آ ئزوسٹیا Izvestia نمبر 81‘
14اپریل 1923ء)

اجتماعی گھریلوانتظامات کے ان یونٹوں کا تجربہ اس کمیونسٹ طرز زندگی کی نمائندگی کرتا ہے جوابھی اپنے آغاز میں ہے اور انتہائی نامکمل ہے اس لئے بڑی احتیاط اور غور وفکر سے اس کا جائزہ لینا چاہیئے۔اس طرح کی نجی پیش قدمی اور حکومتی تعاون‘ کے ملاپ کوسب سے بڑھ کر مقامی سوویٹوں (Soviets) اور معاشی انجمنوں کی اولین توجہ درکار ہے۔ نئے گھروں کی تعمیر (اور بہرصورت ہم نئے گھرتعمیر کرنے والے ہیں!) لازمی طور پر خاندانی ضروریات کے مطابق ہونی چاہیے۔تاہم اس سمت بظاہر پہلی اور نا قابل تردید کامیابی بہت معمولی اور محدود ہے مگر یہ ناگزیرطور پر دور دراز کے مزید گروہوں کے اندراس خواہش کوابھارے گی کہ وہ بھی انہیں خطوط پر اپنی زندگیوں کومنظم کریں۔ریاست کے مادی ذرائع کے نقطہ نظر سے یا بذات خود پرولتاریہ کی تیاری کے نقطہ نظر سے‘اس کام کے اوپر سے آغاز کیلئے وقت ابھی مناسب نہیں ہوا۔ہم عوام کے مثالی نمونوں کی تخلیق سے ہی موجودہ وقت میں جمودکوتوڑ سکتے ہیں۔بتدریج ہمارے پاؤں جمنے چاہیں۔بہت آگے کی طرف تیز رفتاری نہیں ہونی چاہئے اور نہ ہی ہمیں افسرشاہی کے خالاتی تجربات میں دھنس کے رک جانا چاہیے۔ایک معین وقت میں ریاست مقامی سوویٹوں (Soviets) کی مدد سے اورکوآپریٹو یونٹوں کے تعاون سے اس کام کو وسیع‘ گہرا اور اشترا کی بنانے کی اہل ہوگی۔اس طرح انسانی خاندان‘ بقول اینگلز‘’’ضرورت کی کیفیت سے آزادی کے میدان میں چھلانگ لگائے گا۔‘‘

’’ماسکو کی محنت کش خواتین کی تقریب اور ریلی کے انعقاد کے موقع پر ایک خط‘‘

ماسکو کی محنت کش خواتین کے نام ٹراٹسکی کا پیغام 28 نومبر 1923ء کو’’پراودا‘‘ میں چھپا تھا۔جارج ساؤنڈرز (George

Saunders) نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا اور 30 مارچ 1970ء کو انٹرنیشنل پریس نے اسے شائع کیا۔

مجھے بہت دکھ ہے کہ میں شدید سردی کی طوالت کے باعث آپ کی اس ریلی میں شرکت سے قاصر ہوں جس کا انعقاد' خواتین کے اندر پارٹی کے درست اور جامع کام کے پانچ سال کے اختتام پر کیا جا رہا ہے۔ مجھے اس ریلی میں شرکت کرنے والوں کو تحریری سلام پیش کرنے دیجئے اور ان کے توسط سے ان محنت کش اور کسان خواتین کو بھی سلام پیش کرنے دیجئے جنہیں پارٹی کے کام نے بیدار کیا ہے۔ اور ان کو بھی میرا سلام جنہیں آج نہیں تو کل پارٹی کا کام بیدار کرے گا۔

عورتوں کی مالی اور روحانی آزادی کا مسئلہ خاندان کی تبدیلی سے جڑا ہوا ہے۔ دم گھٹا دینے والے اس زنداں کی سلاخوں کو اکھاڑنا ناگزیر ہے جس میں موجود خاندانی نظام نے عورت کو قید کر رکھا ہے۔ جس نے عورت کو غلام اور ایک مال بردار جانور بنا رکھا ہے۔ اس تبدیلی کی تکمیل صرف اجتماعی کھانے پینے کے طریقوں اور بچوں کی اجتماعی نگہداشت کے طریقوں کو منظم کر کے ہی کی جا سکتی ہے۔ اس منزل کا راستہ مختصر نہیں ہے: مادی ذرائع' پختہ ارادہ اور جدوجہد درکار ہے۔

خاندان کی روزمرہ زندگی کی تبدیلی کی طرف دو راستے جاتے ہیں:۔ ایک نیچے سے اور دوسرا اوپر سے۔ نچلے راستے سے مراد انفرادی خاندانوں کے ذرائع اور کاوشوں کو جوڑ کر ایسے بڑے بڑے خاندانی یونٹوں کا قیام عمل میں لانا ہے جن کے کچن اور لانڈریاں وغیرہ مشترک ہوں۔ اوپر والے راستے سے مراد ریاست یا مقامی سوویٹوں (Soviets) کی پیش قدمی ہے جس کے ذریعے محنت کشوں کے کوارٹرز' اجتماعی ریستوران اور نرسریاں وغیرہ بنائی جائیں۔ مزدوروں اور کسانوں کی ریاست کے اندر ان دونوں راستوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا بلکہ چاہیے یہ کہ ایک راستہ دوسرے کو تقویت پہنچائے۔ زندگی کی نئی شاہراہ کی سمت محنت کشوں کے خاندانوں کی آزادانہ جدوجہد کے بغیر ریاست کی تمام کاوشیں صفر ہو جائیں گی۔ لیکن مقامی سوویٹوں اور ریاستی حکام کی مدد اور راہنمائی

کے بغیر انفرادی محنت کشوں کے خاندانوں کی پیش قدمی کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں کر سکتی۔ کام کو بتدریج اوپر اور نیچے دونوں سمتوں سے جاری رکھا جانا چاہیئے۔

دوسرے معاملات کی طرح اس راہ میں بھی سب سے بڑی رکاوٹ مادی ذرائع کی ہے۔لیکن اس کا مطلب محض یہ ہے کہ حقیقی کامیابی اتنی تیز رفتار نہیں ہوگی جیسی ہماری خواہش ہے۔تاہم اگر غربت کی وجہ سے ہم ایک نئی زندگی کی تعمیر کی جدوجہد کو ایک طرف رکھ دیں تو یہ بات مکمل طور پر ناجائز اور ناقابل قبول ہوگی۔

بدقسمتی سے اندرونی کھچاؤ' جمود اور اندھی خصلت بڑے طاقتور ہوتے ہیں۔اور اندھی خصلتیں جس انداز سے خاندانی زندگی کے تاریک گوشوں پر حکمرانی کرتیں ہیں' کہیں اور ان کا اتنا اثر نہیں ہوتا۔ان وحشیانہ خاندانی حالات کے خلاف انقلابی خواتین کو نہیں تو اور کس کو پکارا جائے؟ لیکن میرے کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ باشعور کارکن اس ذمہ داری سے عہدہ براء ہیں کہ وہ خاندانی زندگی کے معاشی حالات کی تبدیلی کیلئے جدوجہد نہ کریں ---- خاص کر کھانے پینے 'بچوں کی نگہداشت اور ان کی تعلیم و تربیت کیلئے۔لیکن وہ لوگ جو نئی زندگی کیلئے سب سے زیادہ مستعدی سے اور ڈٹ کر جدوجہد کرتے ہیں' پرانی زندگی سے سب سے زیادہ متاثر بھی وہی ہیں۔اور موجودہ خاندانی حالات میں سب سے زیادہ ستم رسیدہ فرد عورت ہے---- بیوی اور ماں اسی لئے پرولتاریہ کمیونسٹ خاتون----اور اس کے اردگرد بیدار خواتین کو اپنی توجہ اور توانائیوں کا بڑا حصہ روز مرہ زندگی کی تبدیلی کو سونپ دینا چاہیے۔ اگرچہ ہماری معاشی اور ثقافتی پسماندگی بے شمار مشکلات کو جنم دیتی ہے اور ہمیں اس راہ پر سست روی سے چلنے پر مجبور کرتی ہے پھر بھی یہ ناگزیر ہے کہ تمام محنت کش خواتین کی ایک اجتماعی عوامی رائے کو دباؤ کے طور پر لاگو کیا جائے تاکہ وہ سب کچھ جو کیا جاسکتا ہے' کیا جائے۔

صرف اسی طرح ہم انتہائی پسماندہ اور زیرعتاب محنت کش خواتین اور اس کے علاوہ کسان خواتین کیلئے سوشلزم کی سلطنت کا دروازہ کھول سکیں گے۔میری تمنا ہے کہ آپ کو ہر طرح کی کامیابی نصیب ہو۔

ممتا/مادریت کا تحفظ اور ثقافت کیلئے جدوجہد

7 دسمبر 1925ء میں ٹراٹسکی نے ماؤں اور بچوں کے تحفظ کے موضوع پر تیسری آل یونین کانفرنس سے خطاب کیا۔ٹراٹسکی کی یہ تقریر 17 دسمبر 1925ء میں ''پراودا'' (Pravda) اور آئزوسٹیا (Izvestia) دونوں میں شائع ہوئی۔ جان فیئر لی (John Fairlie) نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا اور یہاں یہ پہلی بار منظر عام پر آئی۔

کامریڈز-- ماؤں اور بچوں کی حفاظت کے موضوع پر آپ کی یہ کانفرنس بڑی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ اس کی سرگرمیوں کے عنوان سے عیاں ہے کہ ایک نئی اشتراکی ثقافت کی تعمیر کا کام بتدریج اور متوازن انداز میں مختلف زاویوں سے جاری وساری ہے۔کل ہی مجھے اس تھیسز (Theses) کو دیکھنے کا موقع ملا جو اس کانفرنس میں پمفلٹ کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔اس کے مکمل مطالعہ کیلئے مجھے وقت نہیں مل سکا۔اس تھیسز میں سب سے نمایاں بات یہ حقیقت ہے کہ آپ کے کام نے غیر معمولی درستگی اور گہرائی حاصل کر لی ہے۔یہ کامیابی آپ نے ان مبہم مشکلات کے بیچوں بیچ حاصل کی ہے جن کا سامنا 19-1918ء کے سالوں میں ہمیں ثقافت اور زندگی کے ہر میدان میں کرنا پڑا۔اپنے تجربے کی بنیاد پر ہر ان مشکلات کو حل کرنے کیلئے ہم پہلے ہی کسی موشگافی میں گرے بغیر اور ناگزیر پیش منظر کے زیاں کے، بغیر ٹھوس اور حقیقی انداز میں سوچنے کی سمت گامزن ہو چکے ہیں اور ہمارے کام کے ہر میدان میں یہ ہماری بہت بڑی کامیابی ہے جسے ماؤں اور بچوں کے تحفظ پر لکھے گئے تھیسز میں مکمل طور پر قابل فہم اور جامع انداز میں پیش کیا گیا

ہے۔

کامریڈز-- جو چیز سب سے زیادہ قابل توجہ ہے(کم ازکم میرے لئے'اور میں سمجھتا ہوں کہ اس تھیسسز کے ہر قاری کیلئے ایسا ہی ہے) وہ کامریڈ لیبیڈیوا (Lebedeva) کا شیر خوار بچوں کی اموات پر جدول ہے۔اس نے تو مجھے بدحواس کر دیا ہے۔شاید آپ اس سوال پر پہلے ہی زیادہ درست انداز میں بحث کر چکے ہوں۔لیکن جو کچھ پہلے کہا گیا ہے اسے پھر سے دوہرانے کا رسک لیتا ہوں اور میں اسی نقطے پر تفصیل سے بات کروں گا۔ ہمارے پاس یہاں 1913ء سے 1923ءتک شیر خوار بچوں کی اموات کا جدول پڑا ہے۔کیا یہ جدول درست ہے؟ یہ وہ سوال ہے جو اپنے آپ سے اور دوسروں سے پوچھنا چاہوں گا۔کیا یہ درست ہے؟کسی بھی صورت میں یہ عوامی تصدیق کا مرکز بنے گا۔میں سمجھتا ہوں کہ اسے تھیسسز سے نکال دینا چاہیے جو محض مخصوص ورکرز کو ہی دستیاب ہے۔اسے ہر ایک کیلئے (پارٹی اور سوویت کیلئے) پریس کی زینت بنا دینا چاہیے۔اسے شماریاتی وضاحت کا موضوع بنا دینا چاہیے اور اس کی ہر حوالے سے پڑتال ہونی چاہیے۔ اور اگر یہ درست ثابت ہوتا ہے تو پھر اسے اشتراکی ثقافت کی فہرست میں ایک گرانقدر کامیابی کے طور پر محفوظ کرلیا جانا چاہیے۔

اس جدول سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ 1913ء میں جب روس آج کی نسبت خاطر خواہ امیر تھا---- ہاں روس بحیثیت قوم بحیثیت ریاست یا قوموں کے اکٹھ کے طور پر آج کی نسبت قدرے امیر تھا۔(ہم پیداوار میں تو 1913ء کے قریب قریب ہیں مگر دولت کے ارتکاز میں نہیں۔اور حتیٰ کہ جب ہم صنعتی اور زرعی پیداوار کا لیول 1913ء کے عین برابر کر دیں گے تب بھی قومی دولت کے ارتکاز میں بہت بڑا فرق ہوگا جو 1913ء میں تھا)اس کے باوجود 1913ء میں صرف ولادی میر صوبے میں ایک سال میں شیر خوار بچوں کی اموات 29 فیصد تھیں جب کہ اس وقت یہ 17.5 فیصد ہیں۔ اور ماسکو صوبے میں اس وقت بچوں کی اموات 28 فیصد تھیں جو کہ اب 14 فیصد ہیں۔کیا یہ درست ہے یا غلط؟(آواز آتی ہے کہ درست ہے) میں اس پر اعتراض کرنے کی جسارت نہیں کروں گا۔میں

صرف یہ کہتا ہوں کہ آپ اسے بخوبی جانتے ہیں مگر تمام ملک کو بھی اس کا ادراک ہونا چاہیے۔ تمام نگاہوں کے سامنے بڑی احتیاط سے اس تناسب کے درمیان فرق کی پڑتال کی جانی چاہئے۔ پیداواری قوتوں کے اتنے کم لیول کے ساتھ اموات کے تناسب میں اتنی بڑی گراوٹ حیران کن ہے۔ اگر یہ حقیقت ہے تو پھر ہماری روز مرہ زندگی کی نئی ثقافت اور سب سے بڑھ کر بحیثیت تنظیم، آپ کی جدوجہد کی یہ ناقابل تردید کامیابی ہے۔ اگر یہ حقیقت ہے تو پھر نہ صرف یونین کے اندر بلکہ عالمی سطح پر اس کا اعلان کیا جانا چاہیے۔ اگر پڑتال کے بعد یہ حقیقت عوامی رائے میں یعنی مزید ناقابل تردید بن جاتی ہے تو پھر آپ کو سنجیدگی سے اس بات کا اعلان کر دینا چاہیے کہ ہم موجودہ دور کا ماقبل جنگ کے پیمانے سے تقابلہ کرنا ختم کر دیں گے۔

جدول سے ظاہر ہے کہ ماسکو صوبے میں ایک سال تک بچوں کی اموات کی شرح جنگ سے پہلے کے دور کی نسبت آدھی ہے۔ لیکن جنگ سے قبل ہماری ثقافت اور روز مرہ کے حالات نوابانہ، تحکمانہ اور گنوار پن پر مبنی تھے۔ یعنی انتہائی خوفناک اور انتہائی قابل نفرت حالات تھے۔ ان حالات کے خلاف ہماری یہ کامیابی بڑی تسلی بخش ہے۔ لیکن جنگ سے پہلے کے حالات ہمارے معیار کی مناسبت سے جاری نہیں رہ سکتے۔ ہمیں کوئی اور معیار تلاش کرنا پڑتا ہے اور ایک لمحے کیلئے ہمیں یہ معیار تہذیب یافتہ سرمایہ دار دنیا میں تلاش کرنا چاہیے---- سرمایہ دار ممالک جرمنی، فرانس، انگلینڈ اور امریکہ میں شیر خوار بچوں کی اموات کی شرح کیا ہے؟۔

آپ کے کام میں اور دوسرے ہر ایک کام میں یہاں ایک بار پھر مجھے اس سوال تک رسائی کی مماثلت اور مکمل توازن نظر آتا ہے۔ اگر آپ اپنی صنعت اور زراعت کو دیکھیں تو شاید آپ ویسا ہی طریقہ کار محسوس کریں: ہم نے ایک نظر جنگ سے پہلے کے معیار پر رکھ کر کل تک کام کیا اور ہم آج تک کر رہے ہیں۔ ہم کہتے ہیں ہماری صنعت گذشتہ سال جنگ سے پہلے کی نسبت 75 فیصد تک پہنچ گئی تھی اور اس سال اکتوبر کے آغاز میں یہ 95 فیصد تک پہنچ جائے گی اور اگر حالات ٹھیک رہے تو یہ 100 فیصد بھی ہوسکتی ہے۔ اسی وجہ سے ہم ماقبل جنگ کے معیار

کے ساتھ تقابلہ کرنا ختم کر رہے ہیں ۔ ہم نے جنگ سے پہلے کے لیول تک نہیں جانا جو کہ بربریت کی تاریخ کا حصہ بنتا جا رہا ہے ۔ لیکن ہم نے اس دباؤ کو برابر کرنا ہے---- معاشی' فوجی اور ثقافتی ---- جو باہر سے ہم پر مسلط ہے ۔ سرمایہ دار دشمن ہم سے زیادہ تہذیب یافتہ اور ہم سے زیادہ طاقتور ہیں ۔ ان کی صنعت ہماری صنعت سے بہت اعلیٰ ہے ۔ اور یہ ممکن ہے کہ وہاں پر رائج سرمایہ دارانہ ساخت اور بناوٹ کے باوجود ان میں سے بعض ممالک میں شیر خوار بچوں کی اموات کا تناسب ہماری نسبت کم ہے ۔

اس لئے مجھے دکھائی دیتا ہے کہ یہ جدول آپ کے کام میں ایک اہم موڑ اور ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے ۔ اس جدول کو عوامی تصدیق کا موضوع بناتے ہوئے اور اسے عمومی شعور کیلئے مقرر کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ آج سے ہم اپنا موازنہ ماقبل جنگ کے معیار سے نہیں بلکہ ان ریاستوں سے کریں گے جو ثقافت کے حوالے سے اعلیٰ معیار پر ہیں ۔

اگر منصوبہ بندی سے انتہائی بنیادی پہلوؤں کی بات کی جائے تو ماں اور بچے کی قسمت کا انحصار سب سے پہلے کسی بھی معاشرے کی پیداواری قوتوں کی ترقی اور دولت پر ہے ۔ پھر اس سماج کے افراد کے درمیان اس دولت کی تقسیم' یعنی سماجی ڈھانچے پر ہے ۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ریاست بناوٹ کے اعتبار سے سرمایہ دارانہ ہو یعنی اشتراکی ریاست کی نسبت اس کا سماجی مقام گھٹیا ہو ۔ تاہم وہ امیر ضرور ہو ۔ یہ بالکل ویسا ہی معاملہ ہے جو تاریخ نے اب ہمارے سامنے لاکھڑا کیا ہے ۔ سرمایہ دار ممالک بلا مقابلہ ہم سے زیادہ امیر ہیں ۔ مگر اس دولت کی تقسیم اور تصرف کے نظام کا تعلق تاریخ کے قدیم دور یعنی سرمایہ داری سے ہے ۔ امکانات کے اعتبار سے ہمارے سماجی ڈھانچے کو ایسے معیار' ماڈلز اور منزلوں کی تلاش کرنی چاہیے جو سرمایہ دار ممالک کی نسبت اعلیٰ پیمانے کے ہوں ۔ لیکن چونکہ سرمایہ داری نظام پیداواری قوتوں میں ہم سے بلا مقابلہ بہت آگے ہے اس لئے ہمیں اس تک پہنچنے کا کام فوراً شروع کر دینا چاہیے تاکہ اس پر سبقت لی جا سکے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک رکاوٹ عبور کر لینے کے بعد ---- یعنی ماقبل جنگ کا معیار ---- ہمیں

اپنے آپ کو ایک دوسرا کام سونپ دینا چاہیے----اپنے آپ کو دنیا کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ ممالک کے برابر لانا چاہیے جہاں ماؤں اور بچوں کیلئے خصوصی توجہ بورژوازی کے طبقاتی مفادات کی نظر ہو چکی ہے۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر کسی بھی سماج میں ماں اور بچے کے حالات کا انحصار پیداواری قوتوں کی ترقی، معیشت کے عمومی معیار، سماجی ڈھانچے اور دولت کی تقسیم اور تصرف پر ہے تو پھر یہ سوال ابھرتا ہے کہ آپ کی مخصوص تنظیم کے کام کی کیا افادیت رہ جاتی ہے؟ میں پرجوش انداز میں یہ سوال آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔بشمول سوشلسٹ سماج، کسی بھی ڈھانچے میں زندگی کی تبدیلی اور مخصوص ترقی کے مادی امکانات موجود رہتے ہیں لیکن ایک سوشلسٹ ڈھانچے میں بھی سست روی، سوچوں کی کاہلی، غلامانہ روایات اور رجعت پسندانہ حماقتیں، جو محض زندگی کے پرانے اطوار کو ختم کرنے کے جرات مندانہ اقدامات کی عدم موجودگی اور ماضی کے ساتھ چمٹے رہنے کے طور پر شاید آپ کو ملیں۔ ہماری پارٹی اور دوسری کئی ایک سماجی تنظیموں کا کام، (جیسا کہ آپ کی تنظیم ہے) یہ ہے کہ وہ نئے رسم و رواج، روزمرہ کی عادات اور نفسیات پر زور دیں اور روزمرہ زندگی کو ایسے حالات سے بچائیں جن کے باعث زندگی سماجی واقتصادی امکانات سے پیچھے رہ جاتی ہے۔

جہاں تک ٹیکنالوجی کا تعلق ہے تو مغرب کی طرف اس کا دباؤ ایک تازیانے کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ ہم یورپی منڈی کی طرف نکل پڑے ہیں۔ ہم خرید و فروخت کر رہے ہیں۔ بحیثیت تاجر ہم (یعنی مزدور ریاست) اس بات میں دلچسپی رکھتے ہیں کہ مہنگا بیچیں اور سستا خریدیں۔لیکن اگر آپ خرید و فروخت کرنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ آپ کی پیداوار سستی سے سستی ہو۔آپ کے پاس اچھی ٹیکنالوجی اور پیداوار کیلئے اعلیٰ پائے کا منظّم پیداواری معیار ہو۔ عالمی منڈی میں نکل آنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو یورپی اور امریکی ٹیکنالوجی کے تازیانے کے نیچے رکھ دیا ہے۔ یہاں اب ہم چاہیں یا نہ چاہیں ہم نے آگے جانا ہے۔ ہمارے سماجی ڈھانچے کے تمام تر مسائل، جن میں ماؤں اور

بچوں کی قسمت بھی شامل ہے کا انحصار اس عالمی مقابلے کی کامیابی پر ہے جس سے ہم نبرد آزما ہیں۔ اپنے ملک کے اندر تو ہم نے بورژوازی کے ساتھ حساب بے باک کر دیا ہے کہ نئی معاشی پالیسی کی بنیادوں پر ہماری ریاستی صنعت پھل پھول رہی ہے، ترقی کر رہی ہے اور کسی پرائیویٹ صنعت کار سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں کہ وہ منڈی میں ریاستی صنعت کو پیچھے چھوڑ سکتا ہے---- ناقابل تردید اعداد و شمار اس کی تصدیق کرتے ہیں---- اور یہ سب کے سامنے عیاں ہے۔ لیکن ایک بار جب ہم عالمی منڈی میں نکل آئے ہیں تو مقابلہ باز یہاں بہت مضبوط، طاقتور اور زیادہ تعلیم یافتہ ہے۔ معاشی میدان میں یہاں ہمارے سامنے نئے معیار ہیں ----یعنی یورپی اور امریکی ٹیکنالوجی تک رسائی اور پھر اس پر سبقت لے جانا۔

کل ہی ہم نے ماسکو سے 130 کلومیٹر دور ایک پاور سٹیشن کھولا ہے---- شاتورکا سٹیشن۔ یہ ایک بہت بڑی تکنیکی کامیابی ہے۔ شاتورکا (Shaturka) سٹیشن دلدلی کوئلے والی زمین پر بنایا گیا ہے۔ ہمارے ملک میں دلدلی کوئلے کی بہت بڑی مقدار موجود ہے۔ اور اگر ہم کوئلے کی مخفی توانائی کو بجلی کی حرکی توانائی میں تبدیل کرنا سیکھ سکیں تو اس کے ماؤں اور بچوں کے اوپر بہت مثبت اثرات مرتب ہونگے۔ اس سٹیشن کے معماروں کے اعزاز میں منعقدہ تقریب نے ایک ہی وقت میں اپنے تمام تر تضادات کے باوجود ہماری تمام تر ثقافت کی ایک واضح تصویر ہمارے سامنے رکھی ہے۔ ہم نے ماسکو سے اس کا آغاز کیا ہے۔ ماسکو کیا ہے؟ مختلف صوبوں سے پہلی بار ماسکو آنے والے مندوبین دیکھ سکتے ہیں کہ ماسکو ہماری سوویت یونین کا مرکز ہے۔ ماسکو عالمی محنت کش تحریک کی راہنمائی کرنے والے نظریات کا مرکز ہے۔

شاتورکا (ماسکو سے چند کوس دور) ایک بہت بڑی تکنیکی کامیابی ہے۔ تعمیر اور سائز میں یہ پوری دنیا میں واحد پاور سٹیشن ہے۔ شاتورکا اور ماسکو کے درمیان جب ہم ٹرین کی کھڑکیوں سے باہر جھانکتے ہیں تو ہمیں ایسے گنجان جنگل محو خواب نظر آتے ہیں جیسے سترویں صدی میں ہوتے تھے۔ اور ادھر ادھر چھوٹے چھوٹے گاؤں بکھرے دکھائی دیتے ہیں جو تقریباً ویسے ہی ہیں جیسے سترویں صدی میں ہوتے

تھے۔ انقلاب نے یقیناً ان چھوٹے چھوٹے گاؤں کا ثقافتی معیار بلند کیا ہے---- خاص طور پر ماسکو کے گرد ونواح میں۔لیکن ان میں خوفناک حد تک پسماندگی اورقرون وسطیٰ کی علامات ابھی تک ملتی ہیں---- خاص کر ماؤں اور بچوں کے مسئلے میں۔

ہاں--آپ نے دیہاتوں میں پہلی بار بہت بڑی کامیابیاں حاصل کیں ہیں جس کے لئے سوویت یونین کا ہر باشعور شہری آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہے ۔لیکن آپ کے تھیسسز سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابھی تک ہر گاؤں میں کتنی تاریکی اور تیرگی ہے ۔حتیٰ کہ ماسکواور شاتورکا کے درمیان شاہراہ پر بھی۔ ماسکواور شاتورکا تک رسائی کیلئے دیہاتوں پر زور دینا پڑے گا چونکہ شاتورکا ایک جدید ٹیکنالوجی ہے جس کی بنیاد الیکٹریفیکیشن (Electrification) پر ہے۔ یہاں ہمیں وی . آئی . لینن کے وہ الفاظ یاد آتے ہیں کہ سوشلزم = سوویٹ پاور+ الیکٹریفیکیشن

آپ کیلئے سب سے اہم کام یہ ہے کہ زندگی کو یوں آگے بڑھائیں کہ یہ تکنیکی حاصلات میں پیچھے نہ رہ جائے۔ چونکہ روزمرہ زندگی خوفناک حد تک رجعتی ہے۔ اتنی رجعتی ہے کہ اس کا ٹیکنالوجی کے ساتھ کوئی تقابلہ نہیں ہے۔کسان مردوخواتین اورمحنت کش مردوخواتین کے سامنے نئی زندگی کے براہ راست کوئی نمونے نہیں ہیں جوانہیں اپنی طرف مائل کرسکیں۔اور پھران کے لئے ایسے نمونوں کی پیروی کرنا کوئی مجبوری بھی نہیں ہے۔ جہاں تک ٹیکنالوجی کا تعلق ہے' امریکہ ہم سے کہتا ہے :''شاتورکا بناؤ ورنہ ہم تمہارے سوشلزم کو ہڈیوں سمیت ہڑپ کر جائیں گے کہ اس کے نشانات تک باقی نہیں رہیں گے۔'' لیکن یوں لگتا ہے کہ روزمرہ زندگی ایک خول میں بند ہے۔اسے براہ راست ان چوٹوں کا احساس نہیں ہوتا اس لئے یہاں سماجی کام کے آغاز کی خاص طور پر ضرورت ہے۔

میں نے تھیسسز میں دیکھا ہے کہ آپ نے دیہاتوں میں شاندار مداخلت کا آغاز کر دیا ہے۔اس کا میں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں۔ یہاں ای-اے-فڈر (E.A.Feder) کے تھیسسز میں دیہی علاقوں میں بچوں کی نگہداشت کے

مراکز کی اشد ضرورت کی طرف نہ صرف اشارہ کیا گیا ہے بلکہ کسانوں کی طرف سے اس کی بہت بڑی حمایت بھی ہے یعنی دیہی علاقوں میں ان مراکز کیلئے ایک شعوری کوشش موجود ہے۔ لیکن محض کچھ عرصہ قبل 19-1918ء میں حتیٰ کہ قصبوں میں بھی ان مراکز کیلئے بدگمانی اور بے اعتمادی پائی جاتی تھی۔ اگر اس سمت سے کسان خاندانوں تک یہ نیا سماجی نظام پہلے ہی پہنچ چکا ہے تو بلاشبہ یہ بھی ایک بہت بڑی کامیابی ہے۔ چونکہ بتدریج کسان خاندانوں کی بھی تعمیر نو کی جا سکے گی۔ میں ابھی اس موضوع پر مزید بات کرنا چاہوں گا چونکہ پریس میں بھی ان تجاویز کے ساتھ آوازیں اٹھ رہی ہیں کہ ہمیں خاندان کے مسائل پر کسانوں کے بدترین تعصّبات کا ذکر بھی کرنا چاہیے جو سمچکا (Smychka) سے پیدا ہوئے ہیں۔ دیہاتوں میں جو کچھ پایا جاتا ہے درحقیقت ہمارا کام وہیں سے شروع ہوتا ہے----اور وہاں پر پسماندگی' تعصّبات' تیرگی اور جہالت پائی جاتی ہے جسے قلم کی نوک سے نہیں مٹایا جا سکتا----سمچکا کو تلاش کرنا' کسی ایسی مضبوط ہک کو تلاش کرنا ہے جس کے ساتھ ہم اپنے آپ کو جوڑ سکیں اور بڑی مہارت کے ساتھ کسان خاندان کو سوشلزم کی ابتدائی شاہراہ پر کھینچ سکیں۔ لیکن یقیناً مجہول انداز میں رائج الوقت تصورات اور روایات کی پیروی نہیں کی جا سکتی جنکی بنیاد غلامی ہے۔

خاندان اور روزمرہ کی زندگی میں ہماری پرانی ثقافت کیا ہے؟ سرفہرست تو شرافت اور عظمت ہے۔ تمام سماجی زندگی میں تیرگی' جہالت اور ثقافت کی کمی کی بنیاد پر یہ کس نے بیہودگی کی مہر ثبت کر دی ہے؟ اور اگر ہمارا پرولتاریہ' جو کسان طبقے سے ابھرا ہے۔ جس نے 30 سے 50 سال کی ایک چھلانگ میں یورپی پرولتاریہ کو جا پکڑا ہے اور پھر طبقاتی جنگ اور انقلابی سیاست کے میدان میں اس پر سبقت لے گیا ہے پھر بھی روزمرہ کی زندگی' خاندان اور ذاتی اخلاقیات کے میدان میں پرانی غلامی کی کچھ باقیات اس پرولتاریہ کے اندر بھی پائی جاتی ہیں۔ دانشوروں اور پیٹی بورژوا خاندانوں میں آپ کو ایک حقیقی اور سچی غلامی ملے گی۔ آپ کو قانونی حقوق کے حصول میں خاطر خواہ پیش رفت کے ذریعے خاندان کی فوری تبدیلی کا یوٹوپیائی کام نہیں کرنا چاہئے۔ آپ منہ کے بل کسان طبقے کے

سامنے گریں گے اور آپ کو سمجھوتہ کرنا پڑے گا۔ بلکہ مادی وسائل کے اندر رہتے ہوئے' پہلے سے متعین کردہ سماجی ترقی کے حالات کے اندر رہتے ہوئے جائز طور پر خاندان کی مستقبل کی سمت راہنمائی کرنی پڑے گی۔

میں اس وقت شادی کے قانون کے متعلق بات نہیں کرنا چاہتا جو کہ زیر بحث ہے۔ میں اس کے متعلق بات کرنے کا حق محفوظ رکھتا ہوں۔ میں فرض کرتا ہوں کہ آپ کی تنظیم بھی شادی کے متعلق درست قانون کی جدوجہد میں صحیح پوزیشن لے رہی ہوگی۔ میں صرف ایک دلیل بیان کرنا چاہوں گا میرے ذہن میں آ رہی ہے۔ دلیل یہ ہے: کہ آپ ایک غیر شادی شدہ (یعنی وہ ماں جو رجسٹرڈ نہیں ہے) کو شادی شدہ ماں کے برابر حقوق کیسے دے سکتے ہیں؟ یقیناً اس کا مطلب ایک عورت کو ایک ایسے رشتے میں دھکیلنا ہے جس میں وہ داخل نہ ہوتی اگر قانون اسے اس حق سے محروم رکھتا۔

کامریڈز' یہ ایک ایسی بکواس ہے کہ یہ آپ کو پریشان کر دیتی ہے۔ کیا ہم حقیقتاً ایک ایسے سماج میں ہیں جو اشتراکی انداز میں خود بخود بدل رہا ہے؟ یعنی ماسکو یا شاتورکا میں۔ اور ماسکو اور شاتورکا کے درمیان محو خواب جنگلات میں نہیں یہاں عورت کے ساتھ رویہ نہ صرف غیر کمیونسٹ ہے بلکہ انتہائی رجعتی' اجڈ اور ناشائستہ ہے۔ عورت جسے ازدواجی زندگی کے نتائج بھگتنا پڑتے ہیں۔ ہمارے ملک میں کون سوچ سکتا ہے کہ اس کے حقوق کی اتنے پرجوش انداز میں حفاظت ہو سکتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس ننگ انسانیت سوال کی توضیح کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن یہ اس کند ذہنیت کا آئینہ دار اور علامت ہے جو ہمارے روایتی نقطہ نظر' تصورات اور رسم و رواج میں موجود ہے جنہیں نیست و نابود کرنے کیلئے قلعہ شکن مشین کی ضرورت ہے۔

موجودہ حالات میں ماؤں اور بچوں کیلئے جدوجہد کا مطلب خاص طور پر شراب نوشی کے خلاف جدوجہد ہے۔ بدقسمتی سے میں نے شراب نوشی کے خلاف کسی تھیسز کو نہیں پڑھا ہے۔

(آواز: یہاں نہیں ہیں) معذرت کے ساتھ کہ میں دیر سے پہنچا اور یہ تجویز

نہ دے سکا کہ اسے بھی ایجنڈے پر ہونا چاہیے۔لیکن میں گزارش کروں گا کہ آپ اپنی آئندہ کانگریس میں اس سوال کا اضافہ بھی کرلیں چونکہ یہ آپ کے موجودہ کام میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔آپ ایک وسیع محاذ پر شراب نوشی کے خلاف جدوجہد کئے بغیر ماں اور بچے کے حالات کی بہتری کیلئے جدوجہد نہیں کرسکتے۔

تھیسسز میں یہ بھی موجود ہے' اور درست بھی ہے کہ بے قاعدہ جنسی تعلقات کو ظالمانہ انداز میں ختم نہیں کیا جاسکتا اور یہ کہ پے در پے طلاقوں کے خلاف ایک بھرپور سماجی رائے ضروری ہے۔ یہ درست ہے مگر کامریڈز' جنسی تعلقات کو غیر سنجیدہ اور بیہودہ متعین کرنے میں' بعض کیسوں میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ ان جنسی تعلقات سے بڑھ کر خطرناک اور دھمکی آمیز چیز کوئی نہیں جو شراب نوشی اور نشے میں دھت ہوکر قائم کئے جاتے ہیں اور یہ اکثر کم تعلیم یافتہ ماحول میں پروان چڑھتے ہیں۔ میری رائے میں آپ کی تنظیم کو شراب نوشی کے خلاف جدوجہد کیلئے بذات خود پہل کرنی چاہیئے۔

اگر ہم ماں اور بچے کی قسمت کے سوال کو سلسلہ وار سوالات میں تقسیم کریں اور پھر ان میں سے خاص طور پر شراب نوشی کے خلاف جدوجہد کا چناؤ کریں تو ہم واضح انداز میں محسوس کریں گے کہ وسیع استحکام اور خاندانی بندھنوں میں عقلیت پسندی کیلئے ہماری بنیادی جدوجہد انسانی شخصیت کے معیار کی بڑھوتری پر مشتمل ہے۔ تجریدی پروپیگنڈا اور تبلیغ اس معاملہ میں مددگار ثابت نہیں ہونگے۔زندگی کے انتہائی مشکل مراحل میں ماؤں اور شیرخوار بچوں کی حفاظت کیلئے قانون ساز فریم ورک انتہائی ناگزیر ہے۔اور اگر ہم قانون سازی میں انتہا تک جاتے ہیں تو پھر یہ یقیناً باپ کیلئے نہیں بلکہ ماں اور بچے کیلئے ہوگی۔ ماں کے حقوق کی' چاہے ان کی جتنی بھی قانونی یقین دھانی ہو پھر بھی درحقیقت اخلاقیات' رسم و رواج اور ماں کے اپنے کردار کے حوالے سے اس وقت تک خاطر خواہ پاسداری نہیں کی جاسکتی جب تک کہ ہم سوشلزم کے ترقی یافتہ مقام بلکہ کمیونزم تک نہیں پہنچ جاتے۔شراب نوشی کے خلاف جدوجہد کے بشمول' جدوجہد کی مختلف سمتوں میں راہنمائی کیلئے یہ لازم ہے کہ ہم ماں اور بچے کو جتنی بھی قانونی مدد دے سکتے ہیں دیں۔ مستقبل

قریب میں یہ ہمارے کام کی سب سے چھوٹی برانچ نہیں ہوگی۔

لیکن میں پھر دوہراتا ہوں کہ بنیادی راستہ انسانی شخصیت کے معیار کی بلندی ہے۔فطری دلچسپیوں کے اعتبار سے' اپنے معیار کے اعتبار سے اور روحانی اعتبار سے آدمی جتنا بلند پایا ہوگا اتنا ہی وہ اپنے آپ سے اور اپنے دوستوں سے (مرد و خواتین) اصرار سے پوچھے اور دریافت کرے گا۔اور جتنا باہمی استفسار ہوگا اتنے ہی باہمی بندھن ہونگے۔جنہیں توڑنا اتنا ہی مشکل ہوگا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ صنعتی ترقی' زرعی ترقی' فلاح و بہبود' ثقافت اور روشن خیالی کے باعث ہمارے سماجی کام کے تمام میدانوں میں ہمارے بنیادی کام کا مسئلہ حل ہوگیا ہے۔یہ سب کچھ ہمیں پراننشار رشتوں کی طرف نہیں لے جاتا بلکہ زیادہ مستحکم تعلقات کی سمت ہماری راہنمائی کرتا ہے جن کیلئے بالآخر کسی قانونی ضابطے کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی۔

دیہاتوں میں کام کی طرف واپس آتے ہوئے' میں سمجھتا ہوں کہ یہاں اس تھیسسز میں زرعی پنچائیتوں کا کوئی ذکر نہیں ہے۔(آواز آتی ہے کہ ہاں ذکر ہے) میری سطحی نظر پر مجھے معاف کرنا۔زیادہ عرصہ نہیں گزرا میں نے دو بڑی زرعی پنچائیتوں کا دورہ کیا ہے۔ایک یوکرائن میں زیپوروز (Zaporazh) کے علاقے میں ہے جبکہ دوسری شمالی کاکیشیا ٹرسک (Tersk) کے علاقے میں ہے۔ یقیناً یہ ابھی تک ہماری طرز زندگی کا ''شاتورکا'' نہیں ہیں۔یعنی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ نئی خاندانی طرز زندگی کی نمائندگی کرتیں ہیں جیسا کہ شاتورکا نئی ٹیکنالوجی کا نمائندہ ہے۔لیکن یہاں کچھ اشارے ضرور موجود ہیں۔ خاص طور پر جب ان کا اس بات سے موازنہ کیا جائے کہ ان کے اردگرد دیہی علاقوں میں کیا کچھ ہو رہا ہے؟ امداد باہمی کی بنیاد پر اور باقاعدہ ادارے کے طور پر ان پنچائیتوں میں بچوں کی نگہداشت کی سہولت موجود ہے جو کہ ایک بڑے خاندان کی تشکیل کا ناگزیر حصہ ہیں۔ یہاں نوجوان لڑکوں کیلئے ایک کمرہ ہے اور ایک نوجوان لڑکیوں کیلئے بھی ہے۔زیپوروز (Zaporozh) میں بچوں کے کمروں کی دیواریں خوبصورت پینٹنگز سے سجی ہوئی ہیں جنہیں وہاں کے ایک فنکار نے سجایا ہے جو پنچائت کا ممبر بھی

تھا۔ وہاں ایک اجتماعی کچن' ایک اجتماعی ڈائننگ روم' ایک کلب روم اور لائبریری بھی ہے۔ یہ حقیقتاً چھوٹے بچوں کی ایک سلطنت ہے۔ کسان خاندان کے مقابلے میں یہ آگے کی طرف بہت بڑا اقدم ہے۔ اس پنچائیت میں عورت اپنے آپ کو ایک انسان محسوس کرسکتی ہے۔

یقیناً -- کامریڈز' پہلی بات تو یہ ہے کہ میں مکمل طور پر محسوس کرتا ہوں کہ یہ ایک چھوٹا سا نخلستان ہے۔ لیکن دوسری بات یہ ہے کہ یہ ابھی تک ثابت نہیں ہے کہ یہ نخلستان اپنے پھلنے پھولنے کی یقین دھانی کرواتا ہے۔ چونکہ ان پنچائیتوں میں محنت کا پیداواری عمل ابھی تک یقین محکم سے بہت دور ہے۔ لیکن عمومی بات یہ ہے کہ اگر ان میں محنت کا عمل نشو ونما پاتا ہے اور ایک ہی معیار پر رک نہیں جاتا یا گر نہیں جاتا تو ہر ایک سماجی شکل ' ہر ایک سیل (Cell) نشو ونما پائے گا۔ سوشلزم کی تعمیر اور ماں اور بچے کی قسمت کی یقین دھانی صرف معیشت کی بنیادوں کی نشو ونما پر ہی ممکن ہے۔ لیکن زوال پذیری اور غربت کی بنیادوں پر قرون وسطیٰ کی بربریت کی طرف واپسی بھی ممکن ہے۔ بلا شبہ پنچائیتوں میں نئے امکانات کے بیج نمودار ہوئے ہیں اور خاص طور پر اب انکی بہت اہمیت ہے جب کہ دیہاتوں میں اجناس کی پیداواری ترقی' دور افتادہ زارشاہی کے زمینداروں اور غریب کسانوں کے اندر کسی حد تک سرمایہ دارانہ پرت کو اٹھان دے رہی ہے۔ دیہاتوں میں باہمی تعاون' معاشی' ثقافتی اور خاندانی مسائل کو حل کرنے کی اجتماعی صورتیں ہمیں کتنی عزیز ہیں۔ جیسا کہ تھیسز میں بھی موجود ہے اور حقیقت یہ ہے کہ دیہی علاقے بچوں کی نگہداشت کے مراکز کی حمایت کر رہے ہیں۔ اور یہ حمایت اس سے قبل موجود نہیں تھی۔ اور یہ کہ یہ حمایت غریب کسانوں کے خاندانوں سے شروع ہو کر مڈل کلاس کسانوں کے خاندانوں تک جا پہنچی ہے۔ یہ بات بہت ہی اہمیت کی حامل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر ہمارے پاس پیداوار' خاندان اور گھریلو زندگی کے چھوٹے چھوٹے گاؤں یعنی زرعی پنچائیتیں ہوں جو مجھے دکھائی دیتا ہے کہ ماؤں اور شیر خوار بچوں کے حالات' خاندان اور گھریلو بناوٹ کے نقطہ نظر کے اعتبار سے آپ کی خصوصی توجہ کے متقاضی ہوں گے۔

میں کسان کے پنچائیت کی طرف رویے میں بڑی دلچسپی رکھتا تھا۔ میں پنچائیت کو (Communist Beacon) کمیونسٹ چراغ راہ یا کمیونسٹ روشنی کا مینارہ کہتا ہوں۔ ’’کمیونسٹ بیکن‘‘ بہت ہی اہمیت کا حامل لفظ ہے۔ روشنی کا مینارہ وہ ہے جو راستہ دکھاتا ہے۔ دور سے سب کیلئے روشنیاں بکھیرتا ہے۔ 1918ء میں ایسے ناموں کی تعداد چاہے کچھ بھی تھی مگر ان میں سے کتنے ہی حادثاتی طور پر بے بنیاد ہوگئے۔ بعض اوقات بے وقعت چراغ راہ ثابت ہوئے۔ ان میں سے کئی ایک چل بسے ہیں۔ اس لئے یہ بہت ہی اہم تھا کہ اس نام کو چیک کیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ کس حد تک اس کی توجیہہ درست ہے۔ اور یہ کہنا ضروری ہے کہ اگرچہ یہ روشنی کا مینارہ ایک ایسے علاقے میں روشنیاں بکھیر رہا ہے جو زیادہ تر تاتاری قزاق اور کسی حد تک مذہبی فرقوں (Baptists - بپتسمہ دینے والا عیسائی فرقہ) پر مشتمل ہے اور یہ سب انتہائی رجعتی عناصر ہیں مگر پنچائیتوں کے خلاف پرانی دشمنی اور نفرت سامنے نہیں آئی۔ یہ دشمنی بلاشبہ زارشاہی کے زمینداروں میں پائی جاتی ہے۔ لیکن چونکہ پنچائیت زیادہ دوستانہ انداز میں کام کرتی ہے اور اس پنچائیت کے پاس تین ٹریکٹرز ہیں جو مناسب حالات میں پورے ضلع کی خدمات سرانجام دیتی ہے، اور سمجھا کے ذریعے حتیٰ کہ یہ اپنے اردگرد کے قزاق تاتاریوں کو بھی خاندان کی نئی شکلوں اور گھریلو زندگی کا عادی بنا رہی ہے۔ میں کہتا ہوں پرانی دشمنی تو اب ختم ہوگئی ہے۔ اور یہی حقیقی کامیابی ہے۔

کچھ کامریڈز نے مجھے بتایا کہ سوویت حلقوں میں یہ رویہ ابھر رہا ہے کہ ابھی زرعی پنچائیت ناموزوں اور اپنے وقت سے پہلے ہے۔ یہ مستقبل کی پیش بندی ہے۔ یہ درست نہیں ہے۔ پنچائیت آنے والے کل کے ایمبریوز میں سے ایک ہے یعنی بالکل ابتدائی، ناپختہ خطوط پر کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر صنعتی ترقی جو دیہی علاقوں میں زراعت کو صنعت کا درجہ دینے میں تکنیکی بنیادیں مہیا کرے گی اور معاشی فوائد کی تقسیم کی باہمی صورتیں پیدا کرے گی جن کے بغیر درمیانے درجے کے کسانوں کو سوشلزم تک لانا ممکن نہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ دیہی علاقوں میں نئی معاشی صورتوں میں نئے خاندانی اور گھریلو رویوں کے ایسے زندہ جاوید نمونوں

کا مطلب بالکل نیچے سے مستقبل کی تیاری بھی ہے جو ماں اور بچے کی سمت نئے رویوں کی مشق میں معاون ہوگی۔

ہم مارکسسٹ کہتے ہیں کہ پیداواری قوتوں کی ترقی سماجی ڈھانچے کا تعین کرتی ہے۔اس میں کوئی شک نہیں۔لیکن کسی دوسری سمت سے بھی مسئلے تک رسائی ممکن ہے۔ پیداواری قوتوں کی ترقی اس کی اپنی خاطر ہی درکار نہیں ہے۔آخری تجزیئے میں پیداواری قوتوں کی ترقی اس لئے بھی درکار ہے کیونکہ یہ اپنے اوپر آقاؤں اورآکاش کے اس پار بیٹھے ہوئے تصوراتی خداؤں کے خوف سے مبرائی انسانی شخصیت اور شعور کی بنیادیں فراہم کرتی ہے۔ پیداواری قوتوں کی ترقی ایک ایسی انسانی شخصیت کی تعمیر کی بنیادیں فراہم کرتی ہے جو گزرے ہوئے وقتوں کی تخلیق اور انسانی سوچوں کی بہترین تخلیق کو اپنے اندر سمولے۔جو آگے بڑھتی ہوئی ہر چیز سے ہم آہنگ ہو۔ یہ نئی ثقافتی اقدار کو جنم دیتی ہے۔ یہ نئے خاندانی رویوں کی تعمیر کرتی ہے جو ان رویوں سے کہیں زیادہ اعلیٰ پیمانے کے ہوتے ہیں جن کی بنیاد طبقاتی غلامی تھی۔ پیداواری قوتوں کی ترقی ہمیں اس لئے بھی عزیز ہے چونکہ اعلیٰ درجے کی انسانی شخصیت کا مادی مفروضہ اپنے اندر مبہوت نہیں بلکہ مربوط و معاون ہے۔

اس نقطہ نظر سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ آنے والی کچھ دھائیوں میں ماؤں، بچوں اور خواتین کے ساتھ رویوں کی وجہ سے انسانی سماج کی قدر و قیمت کا تعین کرنا ممکن ہوگا۔ اور یہ نہ صرف سماج کی قدر و قیمت کا تعین کرنے کیلئے درست ہے بلکہ انفرادی شخص کیلئے بھی۔انسانی نفسیات تمام پہلوؤں میں یکساں طور پر ترقی نہیں کرتی۔ہم ایک سیاسی اور انقلابی دور میں رہ رہے ہیں۔محنت کش مرد اور خواتین ایک جدوجہد کے دوران اپنے آپ کو نکھار رہے ہیں۔سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک سیاسی اور انقلابی انداز میں اپنی تعمیر کر رہے ہیں۔

شعور کے وہ خانے یا خلیے (Cell) جہاں خاندانی نقطہ نظر اور روایات براجمان ہیں، ایک شخص کا دوسرے کیساتھ رویہ، بچوں اور خواتین کے ساتھ سلوک وغیرہ وغیرہ--- یہ سب اکثر اوقات پرانی وضع قطع کے ہوتے ہیں۔انقلاب نے

ابھی ان پر کام نہیں کیا۔ دماغ کے وہ خلیے جن میں سیاسی اور سماجی خیالات رہائش پذیر ہوتے ہیں' ہمارے اس عہد میں ان پر بڑی تیزی سے کام ہو رہا ہے۔ ہم اس تمام تر سماجی ڈھانچے کے شکرگزار ہیں اور خاص کر اس عہد کے بھی جس میں ہم رہ رہے ہیں ۔(یقیناً یہ محض ایک قیاس ہے--- دماغ کے اندر عمل کچھ مختلف ہے)۔اس لئے ایک لمبے عرصے تک ہم مشاہدہ کرتے ہوئے کام کو جاری رکھیں گے ۔ کہ ہم ایک نئے سماج' ایک نئی صنعت کی تعمیر کر رہے ہیں ۔لیکن ذاتی تعلقات کے میدان میں ابھی بہت کچھ قرون وسطیٰ کے عہد جیسا ہے۔اس لئے ہمارے ثقافتی معیار کا تعین اور انفرادی پرولتاریہ مرد وخواتین اور ترقی پسندانہ کسانوں کے معیار کا اندازہ صرف اور صرف خواتین اور بچوں کی سمت ان کے رویوں سے ہوگا۔

کامریڈ لینن نے ہمیں بتایا تھا کہ محنت کشوں کی پارٹیوں کی اہمیت اور ان کی قدرو قیمت کا تعین بالخصوص اور بالعموم مظلوم اقوام اور نو آبادیات کے ساتھ ان کے رویے اور سلوک سے ہوتا ہے---کیوں؟---کیونکہ مثال کے طور پر اگر آپ انگریز محنت کش کو لیتے ہیں ۔تو اس کے اندر اس کے اپنے طبقے کیلئے یکجہتی کے احساسات و جذبات ابھارنا کہیں زیادہ آسان ہے۔ وہ ہڑتالوں میں حصہ لے گا۔حتیٰ کہ انقلاب تک بھی آ پہنچے گا۔لیکن اس کے اندر زرد چمڑی والے چائنیز مزدور کیلئے یکجہتی کے جذبات واحساسات ابھارنا اور اسے احساس دلانا کہ وہ اس استحصال میں (جس کا وہ خود بھی شکار ہے) اس کے ساتھ اپنے بھائیوں جیسا سلوک کرے' یہ سب کچھ کہیں زیادہ مشکل ثابت ہوگا۔اس لئے یہاں صدیوں سے قائم قومی خود پسندی کے خول کوتوڑنا ناگزیر ہے۔

کامریڈز! بالکل ایسے ہی خاندان کے سربراہ کا عورتوں اور بچوں کے ساتھ رویہ بھی خاندانی تعصّبات کے خول میں بند ہے۔عورت خاندان کی قلی ہے۔اور یہ خول صدیوں میں نہیں بلکہ ہزاروں صدیوں میں جا کے بنا ہے۔ا سلئے آپ ایک قلعہ شکن مشین ہیں اور آپ کو ہونا چاہیے۔ جو رجعت پسندی اور قدامت پرستی کے اس خول کوتوڑے گی۔ یہ خول ہماری ایشیائی فطرت' ہماری

غلامی اور ستم رسیدگی اور بورژوا تعصّبات تک سرائیت کر گیا ہے۔ جس کے باعث مزدوروں کے اپنے اندر بھی تعصّبات موجود ہیں۔ آپ جتنا اس خول کو قلعہ شکن مشین کی طرح توڑتے جائیں گے (وہ قلعہ شکن مشین جو زیرِ تعمیر سوشلسٹ سماج کے ہاتھوں میں ہے) تو ہر باشعور انقلابی' ہر ایک ترقی پسند مزدور اور کسان اپنی تمام تر قوت و طاقت کے ساتھ آپ کی مدد کرنے پر مجبور ہوگا۔ میں آپ کی کامیابی کا متمنی ہوں۔ کامریڈز! بالخصوص میری خواہش ہے کہ آپ عوامی رائے عامہ کی توجہ کا مرکز بنیں۔ آپ کا کام' جو یقیناً بہت خالص اور قابلِ تحسین ہے' ہماری پریس کی توجہ کا مرکز بننا چاہیئے۔ تاکہ ملک کے تمام تر ترقی پسند عناصر کی اسے حمایت حاصل ہو۔ تاکہ ثقافت اور ہماری طرزِ زندگی کی تعمیرِ نو میں آپ کا ہاتھ بٹایا جا سکے۔

''سوشلزم کی تعمیر کا مطلب خواتین کی آزادی اور ماؤں کا تحفظ''

یہ آرٹیکل پہلی بار دسمبر 1925ء میں زانووای بائیٹ (Za Novyi Byt) میں شائع ہوا۔ جان فیئرلی (John Fairlie) نے اس کا ترجمہ کیا تھا۔

ہماری ترقی کی پیمائش کا سب سے درست طریقہ عملی کاروائیاں اور تدابیر ہیں جو ماں اور بچے کے حالات کی بہتری کیلئے کی جا رہی ہیں۔ یہ انڈیکس بہت قابلِ اعتبار ہے۔ یہ دھوکہ نہیں دیتا۔ یہ وسیع مفہوم میں فی الفور مادی کامیابیاں اور ثقافتی حاصلات نمایاں کر دیتا ہے۔ تاریخی تجربے سے ثابت ہوا ہے حتیٰ کہ پرولتاریہ جو کہ پہلے سے ظالموں سے نبرد آزما ہے وہ بھی عورت (بحیثیت گھریلو عورت' ماں اور بیوی) کی کچل دینے والی حالت کی طرف ضروری توجہ دینے میں مستعد نہیں ہے۔ عورت کا خاندانی غلامی کا عادی ہو جانا ہی تو ایک خوفناک طاقت

ہے۔کسان طبقے کی تو بات ہی کچھ اور ہے۔نہ صرف غریب بلکہ مڈل کلاس کسان خاندان کے اندر' کسان خواتین کے بوجھ اور انکی قسمت کی مایوسی کا موازنہ تو شاید آج کی انتہائی بدترین قید مشقت سے بھی نہیں کیا جاسکتا۔کوئی آرام وسکون نہیں۔کوئی چھٹی نہیں۔کوئی امید کی کرن نہیں۔ ہمارا انقلاب بتدریج خاندانی بنیادوں تک اتر رہا ہے۔خاص کر چھوٹے شہروں اور قصبوں میں۔مثال کے طور پر صنعتی علاقوں میں اور بہت آہستہ آہستہ یہ دیہی علاقوں میں بھی گھس رہا ہے۔لیکن مشکلات یہاں بے شمار ہیں۔

عورت کی اس حالت زار کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ سماجی' خاندانی اور گھریلو حالات کو بدلا جائے۔ماں کے مسئلے کی حقیقت کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ دراصل ماں ہی زندگی کا وہ نقطہ ہے جہاں معیشت اور ثقافت کے تمام تانے بانے ایک دوسرے کو قطع کرتے ہیں۔ممتا کا مسئلہ سب سے پہلے تو رہائش' پانی' ایک کچن' لانڈری روم اور ایک ڈائننگ روم کا سوال ہے۔لیکن یہ صرف اتنا ہی ہے جتنا کہ ایک سکول' کتابوں اور ایک تفریحی مقام کا سوال ہے۔شراب نوشی' جہالت' بیروزگاری کے ساتھ ساتھ گھر میں پانی اور بجلی کی عدم دستیابی عورت (ماں) کو بے رحمی سے پیٹتی ہے۔

ماں کی ممتا سب سے بڑا سوال ہے۔تمام تانے بانے یہاں آ کر جڑتے ہیں اور یہاں ہی سے پھر مختلف سمتوں میں نکل جاتے ہیں۔ملک کے اندر خوشحالی ماں اور بچے کی قدر و قیمت اور اہمیت کو بڑے وسیع پیمانے پر ممکن بناتی ہے۔اس میدان میں ہمارے عزم اور استعداد کی حد اس بات سے عیاں ہوگی کہ ہم نے اپنی زندگی کے بنیادی مسائل کو کہاں تک ایک دوسرے کے ساتھ جوڑنا سیکھا ہے۔

جس طرح کسان طبقے کو غلامی کے شکنجوں سے آزاد کروائے بغیر سوویت ریاست کی تعمیر تک رسائی ممکن نہیں تھی بالکل اسی طرح کسان خواتین اور محنت کش خواتین کو خاندانی اور گھریلو بندھنوں سے آزاد کروائے بغیر سوشلزم کی سمت پیش قدمی ممکن نہیں۔اگر ہم ایک انقلابی محنت کش کی بلوغت اور پختگی کی حد بندی کرنے کے عادی ہوتے کہ اس کا نہ صرف سرمایہ دار بلکہ کسان کے ساتھ رویہ کیسا

ہے---یعنی کسان کو غلامی سے آزاد کروانے کی ضرورت کا اسکو کتنا ادراک ہے آج ہم محنت کشوں اور ترقی پسند کسانوں کی سوشلسٹ بلوغت اور پختگی کو ان کے عورت اور بچے کے ساتھ رویے سے ماپ سکتے۔ہم ماں کو قید بامشقت سے آزاد کروانے کی ضرورت کو ان کی فہم وفراست میں تلاش کر سکتے ہیں اور ہمیں یہ اندازہ ہوتا کہ وہ عورت کو سماجی اور ثقافتی زندگی میں شمولیت اور اپنے آپ کو مضبوط کرنے کا کتنا موقع دیتے ہیں۔

ماممتا تمام تر مسائل کا محور ہے۔اس لئے معاشی اور سماجی تعمیر کے میدان میں ہر ایک نئی تدبیر' ہر ایک قانون' ضابطے اور ہر ایک عملی قدم کی جانچ پڑتال کی جانی چاہیے کہ یہ خاندان کے اوپر کیا اثرات مرتب کرے گا؟ آیا کہ یہ ماں کی قسمت کو بدتر بنادے گا یا اس کے بوجھ کو ہلکا کرے گا؟ اور یہ کہ یہ بچے کی حالت زار کو بہتر بنائے گا یا نہیں؟

ہمارے قصبوں میں بے گھر بچوں کی ایک بڑی تعداد اس خوفناک حقیقت کی عکاس ہے کہ ہم ابھی تک تمام اطراف سے پرانے سماج کی الجھنوں میں گرفتار ہیں۔وہ پرانا سماج' اپنے زوال کے اس عہد میں بڑے گھناؤنے انداز میں اپنا اظہار کر رہا ہے۔ماں اور بچے کی حالت پہلے کبھی اتنی خراب نہیں ہوئی جتنی پرانے سماج سے نئے سماج کے دوران عبوری دور میں ہوئی ہے۔خاص طور پر خانہ جنگی کے دور میں کلیمیسیو (Clemenceau)' چرچل (Churchill)' کول چیک (Kolchak) ڈینکن (Denikin) اور رینگ (Wrange) وغیرہ عناصر نے محنت کش خواتین' کسان خواتین اور ماؤں کے اوپر بہت ظالمانہ حملہ کیا اور بچوں کی بے خانمائی اور بے سروسامانی کا بے نظیر ورثہ ہمارے لئے چھوڑا۔ماں کی قدر و قیمت' اہمیت اور اس کا لحاظ و پاس کرنا بچے کی قسمت کی بہتری کا سب سے سچا اور گہرا طریقہ ہے۔

معیشت کی عمومی بہتری بتدریج خاندان اور گھریلو زندگی کی تعمیر نو کے حالات پیدا کر رہی ہے۔اس سے جڑے ہوئے سوالوں کو ان کے پورے قد و قامت کے ساتھ پیش کیا جانا چاہیے۔ہم ملک کے بنیادی سرمائے کی تجدید کیلئے مختلف اطراف

سے کوشش کر رہے ہیں۔ ہم پرانی مشینوں کو بدلنے کیلئے نئی مشینیں حاصل کر رہے ہیں۔ ہم نئی فیکٹریاں لگا رہے ہیں اور ریلوے نظام کو بہتر بنا رہے ہیں کسانوں کو نئے ہل' ٹریکٹر اور بیج بونے والے آلات مل رہے ہیں لیکن سب سے بنیادی سرمایہ عوام ہیں ان کی طاقت' ان کی صحت اور ان کا ثقافتی معیار ہے اس سرمائے کی فیکٹریوں کے ساز و سامان یا کسانوں کے آلات کی نسبت کہیں زیادہ تجدید کی ضرورت ہے۔ یہ بھولنا چاہیے کہ غلامی' بھوک' اور کٹھن ادوار' جنگ اور وباؤں کے سال بغیر کوئی نشان چھوڑے گزر گئے ہیں۔ وہ زندہ انسانوں کے جسموں میں رستے ہوئے زخموں کے نشان چھوڑ گئے ہیں۔ ٹی بی' آتشک اور اعصابی کمزوری جیسی بیماریاں وسیع پیمانے پر عوام میں پھیلی ہوئی ہیں۔ قوم کو صحت مند بنانا ناگزیر ہے اس کے بغیر سوشلزم ناقابل تصور ہے۔

ہمیں بنیادوں' ذرائع اور جڑ تک پہنچنا چاہیے اور اگر ماں نہیں تو قوم کا ذریعہ اور جڑ اور کونسا ہے؟ ماؤں کو نظر انداز کرنے کے خلاف جدوجہد کو اولیت دینی چاہئے۔ گھروں کی تعمیر' بچوں کی نگہداشت کے مراکز کی تعمیر' کنڈرگارٹنز' اجتماعی ڈائننگ رومز اور لانڈریاں توجہ کا مرکز ہونے چاہیں۔ اور یہ توجہ بہت ہی چوکس اور منظّم ہونی چاہئیے۔ یہاں معیار فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔ بچوں کی نگہداشت' خوراک اور لانڈری کی سہولیات اس انداز کی ہونی چاہیں کہ اپنی فوقیت کے باعث تمام اطراف سے محصور پرانے خاندانی نظام' جو کہ ماؤں اور گھریلو خواتین کے جھکے ہوے شانوں کے سہارے کھڑا ہے کیلئے موت کی آندھی ثابت ہوں۔ ماحول کی بہتری ناگزیر طور پر مانگ اور پھر ذرائع کی متقاضی ہے۔ بچوں کی نگہداشت کے ساتھ ساتھ عوامی ریستورانوں میں مادی ذرائع کی تبدیلی اسی صورت میں ممکن ہوگی جب سماجی ڈھانچہ لوگوں کی بنیادی ضروریات کو خاندان کی نسبت بہتر انداز میں پورا کرے گا۔ معیار کے مسئلے پر خاص توجہ دی جانی چاہئے۔ وہ تمام ادارے جو محنت کش عوام کی گھریلو اور خاندانی ضروریات کو پورا کرتے ہیں ان پر ایک مستعد سماجی کنٹرول ناگزیر ہے۔

ماؤں کی آزادی کی اس عظیم جدوجہد کا آغاز یقیناً باشعور محنت کش خواتین

ہی کو کرنا چاہیے۔ ہر قیمت پر اس تحریک کا رخ گاؤں کی طرف ہونا چاہیے۔ ہماری شہری آبادی میں بھی ابھی تک پیٹی بورژوا کسانوں کی خاصی تعداد موجود ہے ۔ بہت سے محنت کشوں کا خواتین کے بارے میں نقطہ نظر ابھی تک سوشلسٹ نہیں ہے بلکہ انتہائی قدامت پسندانہ اورقرون وسطیٰ کے دور کا ہے۔ اس طرح خاندان کے تسلط میں دبی ہوئی کسان ماں محنت کش ماں کو بھی اپنے ساتھ نیچے کی طرف کھینچتی ہے۔ کسان خواتین کو اوپر اٹھایا جانا چاہئے۔ ان میں اپنے آپ کو اوپر اٹھانے کی خواہش ہونی چاہیے یعنی اسے بیدار کیا جانا چاہئے اور اس کی راہنمائی کی جانی چاہئے۔

عورت کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھنا ناممکن ہے۔ عورت قوم کی ماں ہے۔ عورت کی غلامی سے توہمات اور تعصّبات ابھرے جنہوں نے نئی نسل کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور قومی شعور میں بہت گہرائی تک سرایت کر گئے مذہبی توہمات کے خلاف جدوجہد کا سب سے بہترین راستہ تمام پہلوؤں سے ماں کی فکر اور تشویش کرنے کا راستہ ہے۔ ماں کی آزادی کا مطلب ناف کی اس آخری نالی کو کاٹنا ہے جس نے لوگوں کو تاریک اور توہماتی ماضی سے جوڑ رکھا ہے۔

''سوویٹس میں خاندانی رشتے''

یہ آرٹیکل 14 جنوری 1933ء کولبرٹی (Liberty) میگزین میں ''کیا سوویت روس کو تسلیم کرنا مناسب ہے'' کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ اس آرٹیکل میں ٹراٹسکی ''لبرٹی میگزین'' کی جانب سے کئے جانے والے چودہ سوالات کے تحریری جوابات پیش کرتا ہے۔

سوویت یونین کو تسلیم کئے جانے کے سوال پر آج کل امریکہ میں بہت بحث ہورہی ہے۔ سفارتی توثیق (تسلیم کرنا) کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ سوویت یونین اور

امریکہ ایک دوسرے کی سیاست کو سراہتے اور پسند کرتے ہیں۔اس وقت تک سوویت یونین کوتسلیم نہ کرنے کی وجوہات کچھ اخلاقی نوعیت کی ہیں۔

سوال نمبر(1) کیا سوویت ریاست انسانوں کو روبوٹ بنا دیتی ہے؟

جواب:-- میں پوچھتا ہوں کیوں؟ ٹالسٹائی (Tolstoy) یا رسکن (Ruskin) جیسے پرانے قبائلی سرداری نظام کے حامی لوگوں کا اعتراض ہے کہ مشینی تہذیب نے ایک آزاد کسان اور ہنرمند کو ایک بے کیف کٹھ پتلی بنا دیا ہے۔ گذشتہ دھائیوں میں یہ الزام زیادہ تر امریکہ کے صنعتی نظام پر لگایا گیا ہے۔ (ٹیلرازم Taylorism' فورڈازم Fordism)

کیا اب ہم شکاگو اور ڈیٹرائٹ (Detroit) سے روح کچل دینے والی مشین کے خلاف آہ و بکا سنیں گے؟ پتھر اور گارے کی بنی ہوئی جھونپڑیوں کی طرف واپس لوٹ کیوں نہیں جاتے؟ چمڑے کے بنے ہوئے لبادے کی طرف واپس کیوں نہیں جاتے؟ نہیں--- ہم ایسا کرنے سے انکاری ہیں۔ میکانیات کے میدان میں سوویت یونین امریکہ سے بہت پیچھے ہے اور بیچ راستے اس کے رکنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔

لیکن سوال کا مقصد شاید مکینیکل آپریشن نہیں بلکہ سماجی نظم وضبط کے امتیازی پہلو ہیں۔کیا سوویت ریاست میں لوگ روبوٹ نہیں بن رہے کیونکہ وہاں مشین نجی نہیں بلکہ ریاستی ملکیت ہیں؟ یہ دکھانے کیلئے کہ اس کی کوئی بنیاد ہی نہیں ہے' یہ سوال پوچھ لینا ہی کافی ہے۔تو آخر میں صرف سیاسی حکومت' سخت ترین آمریت' تمام قوتوں کے درمیان شدید تناؤ اور آبادی کے پست معیار زندگی کا سوال رہ جاتا ہے۔ان حقائق کو جھٹلانا عقل مندی کی بات نہیں۔لیکن یہ نئی حکومت کے اتنے اثرات نہیں ہیں جتنے خوفناک حد تک پستی کے ہیں جو ہمیں وراثت میں ملی ہے۔

جوں جوں ملک کی معیشت میں بہتری آئے گی' آمریت کو نرم اور معتدل ہونا پڑے گا۔بنی نوع انسان پر حکومت کرنے کا موجودہ طریقہ لوگوں کو اس بات کا موقع دے گا کہ وہ یہ سب کچھ ختم کر دیں۔یہ راستہ روبوٹ کی طرف نہیں بلکہ ایک اعلیٰ معیار کے انسان کی طرف جاتا ہے۔

سوال نمبر (2) کیا سوویت ریاست پر کریملن کے ایک چھوٹے سے گروپ کا مکمل غلبہ نہیں جو پرولتاریہ کی آمریت کے روپ میں اپنی آمرانہ طاقتوں کا استعمال کرتا ہے؟

جواب:-- نہیں یہ درست نہیں ہے۔ یہی طبقہ حالات کے مطابق مختلف سیاسی نظاموں اور طریقوں سے حکومت کرسکتا ہے۔ بورژوازی نے تاریخی طور پر مکمل ملوکیت' بوناپارٹ ازم' پارلیمانی جمہوریت اور فاشسٹ آمریت کے زیر اثر بھی اپنی حکومت جاری رکھی۔ حکومت کے ان تمام طریقوں کا کردار سرمایہ دارانہ ہی ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ قوم کے سب سے اہم ترین خزانے' ذرائع پیداوار کا نظم و نسق' سکول' پریس وغیرہ بورژوازی کے ہاتھوں میں رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ قوانین بھی سب سے پہلے بورژوازی کی ملکیت کا تحفظ کرتے ہیں۔

سوویت حکومت کا مطلب پرولتاریہ کا راج ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ طبقہ جس کے ہاتھوں میں طاقت فوری طور پر مرتکز ہوئی ہے وہ کتنا وسیع ہے۔

سوال نمبر (3) کیا سوویتوں نے بچپن کی خوشیاں چھین لی ہیں اور تعلیمی نظام کو ایک بالشویک پروپیگنڈے میں بدل دیا ہے؟

جواب:-- بچوں کی تعلیم ہر جگہ اور ہمیشہ پراپیگنڈا کے ساتھ مربوط رہی ہے۔ پراپیگنڈا ہاتھوں میں دستانوں کی افادیت کو ذہن نشین کرنے سے شروع ہو کر جمہوریت پر ریپبلیکن پلیٹ فارم کی فوقیت تک لے جاتا ہے۔ مذہبی روح سے تعلیم بھی ایک پراپیگنڈا ہے۔ آپ تسلیم کریں گے کہ کمیونسٹ سینٹ پال (St.Paul) سب سے بڑا پراپیگنڈسٹ تھا۔

فرانسیسی جمہوریہ کی فراہم کردہ دنیاوی تعلیم مکمل طور پر پراپیگنڈا میں شرابور ہے۔ اس تعلیم کا سب سے اہم نظریہ یہ ہے کہ فرانسیسی قوم میں تمام خوبیاں جبلی ہیں یا زیادہ درست طور پر یہ کہ فرانسیسی قوم کے حکمران طبقے میں تمام خوبیاں پیدائشی ہیں۔

کوئی بھی اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ سوویت بچوں کی تعلیم بھی ایک پراپیگنڈا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ بورژوا ممالک میں پرانے اداروں اور نظریات کی

عزت و احترام کو بچے کے ذہن میں ٹھونسا جا تا ہے جبکہ سوویت یونین میں سوال نئے نظریات اور نئی سوچوں کا ہے اس لئے یہ پراپیگنڈا آنکھوں کو چبھتا ہے۔ لفظ ''پراپیگنڈا'' کا منفی پہلو جو لوگ عموماً لیتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ ایسے نظریات کی ترویج اور دفاع ہوتا ہے جو لوگوں کو زیادہ خوشی عطا نہیں کرتے۔

قدامت پرستی اور بے تغیری کے ادوار میں روزمرہ کا پراپیگنڈا زیادہ تر قابل غور نہیں ہوتا۔ انقلابی ادوار میں پراپیگنڈا ناگزیر طور پر ایک متحارب اور جارحانہ کردار اپنا لیتا ہے۔ جب 1917ء کے اوائل میں میں کینیڈا سے ماسکو واپس آیا تو میرے دو بیٹے ایک جمنازیم (ہائی سکول) میں پڑھتے تھے۔ اس سکول میں بہت سارے سیاستدانوں کے بچے بھی زیر تعلیم تھے۔ ان میں صوبائی حکومت کے وزراء کے بچے بھی شامل ہیں۔ اس پورے سکول میں صرف دو بالشویک تھے جو میرے بیٹے تھے اور ایک ان کا ہمدرد تھا۔ سرکاری قوانین کے باوجود (کہ سکول میں سیاست ممنوع ہے) میرا بیٹا جو بمشکل 12 سال کا تھا اسے بالشویک ہونے پر بے رحمی سے مارا گیا۔ بعد میں جب میں پیٹروگراڈ سوویت کا چیئرمین بنا تو میرے بیٹے کا کوئی نام نہیں تھا سب اسے چیئرمین کہتے تھے۔ اور اسے دگنی مار پڑتی تھی۔ یہ بالشویزم کے خلاف پراپیگنڈا تھا۔

وہ والدین اور اساتذہ جنہوں نے اپنے آپ کو پرانے سماج کیلئے وقف کر دیا ہوتا ہے وہ پراپیگنڈا کے خلاف چیخ اٹھتے ہیں۔ اگر ریاست نے نئے سماج کی تعمیر کرنی ہے تو کیا یہ سکولوں سے اس کا آغاز کئے بغیر کرسکتی ہے؟

کیا سوویت پراپیگنڈا معصوم بچوں کی خوشیاں چھینتا ہے؟ کس وجہ سے اور کس طریقے سے؟ سوویت بچے دوسرے تمام بچوں کی طرح کھیلتے کودتے، ناچتے گاتے اور شور وغل مچاتے ہیں۔ حتیٰ کہ خبیث قسم کے مشاہدین بھی سوویت حکومت کی بچوں پر غیر معمولی توجہ کو تسلیم کرتے ہیں۔ اگر پرانی حکومت سے مقابلہ کیا جائے تو اس دورِ حکومت میں شیر خوار بچوں کی شرح اموات نصف رہ گئی ہے۔

یہ سچ ہے کہ سوویت بچوں کو جنت اور ''اولین'' گناہ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا جاتا۔ اس حوالے سے کوئی کہہ سکتا ہے کہ بچوں سے بعد از موت زندگی کی

خوشیاں چھینی جا رہی ہیں میں چونکہ ان معاملات میں زیادہ ماہر نہیں ہوں اس لئے میں اس نقصان کی حد کا تعین نہیں کر سکتا۔ پھر بھی اس زندگی کے دکھ درد اس آنے والی زندگی کی خوشیوں پر ایک مخصوص سبقت رکھتے ہیں اگر بچوں کو کیلوریز کی ضروری مقدار میسر آ جائے تو ان کے اندر بے شمار زندہ قوتوں کو بے بہا خوشیوں کا جواز مل جائے گا۔

دو سال قبل میرا پانچ سالہ پوتا ماسکو سے میرے پاس آیا۔ اگرچہ کہ وہ خدا کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا' میں نے اس میں گناہ کا کوئی رجحان نہیں پایا سوائے اس کے کہ اس نے ایک دفعہ اخبار کی مدد سے بڑے ساحرانہ انداز میں واش بیسن کا ڈرین پائپ بند کر دیا۔ دوسرے بچوں سے گھلنے ملنے کیلئے ہمیں اسے کنڈرگارٹن بھیجنا پڑا' جس کا انتظام کیتھولک راہبات چلاتیں تھیں۔ ان قابل قدر راہبات کو اور تو کوئی کام نہیں تھا البتہ وہ میرے اس سات سالہ دہریئے کی اخلاقیات کی تعریف کرتیں رہتیں تھیں۔

میں اس پوتے کا بہت شکر گزار ہوں جس کی بدولت گذشتہ سال مجھے سوویت بچوں کی کتابوں اور غیر ملکی کتابوں سے بڑی قریبی شناسائی ہوئی۔ دونوں میں پراپیگنڈا موجود ہے۔ سوویت کتابیں غیر معمولی طور پر نئی' جدید اور زندگی سے بھر پور ہیں۔ چھوٹا بچہ بڑی خوشی اور مزے سے ان کتابوں کو پڑھتا اور سنتا ہے۔ نہیں ---سوویت پراپیگنڈا بچپن کی خوشیاں نہیں چھینتا۔

سوال نمبر (4) کیا بالشوازم دانستہ طور پر خاندان کو تباہ کر رہا ہے؟

سوال نمبر (5) کیا بالشوازم جنسی معاملات میں تمام اخلاقی معیارات کا منحرف ہے؟

سوال نمبر (6) کیا یہ درست ہے کہ سوویت نظام میں دوزوجیت اور کثیر الازدواجی قابل سزا نہیں ہیں؟

جوابات:-- اگر خاندان سے کسی کی مراد شادی کی بنیاد پر جبری بندھن' چرچ کی عنایات' ملکیتی حقوق اور سنگل پروانہ راہ داری (Single Passport) ہے تو پھر بالشوازم نے اس جبری خاندان کو جڑوں سے اکھاڑ

پھینکا ہے۔ اگر خاندان سے کسی کی مراد بچوں پر والدین کا غیر گرفتہ تسلط اور زوجہ کے جائز حقوق کی عدم موجودگی ہے تو بد قسمتی سے بالشوازم نے اس پرانی سماجی بربریت کو ابھی مکمل تباہ نہیں کیا ہے۔

اگر خاندان سے کسی کی مراد آئیڈیل یک زوجیت ہے--- جائز معنوں میں نہیں بلکہ حقیقی معنوں میں--- تو بالشویک اس چیز کو جو نہ کبھی اس کرہ ارض پر موجود تھی اور نہ ہے کو تباہ نہیں کر سکے--- سوائے خوش قسمت استثنیات کے۔

اس بیان کی قطعی کوئی بنیاد نہیں ہے کہ شادی کے معاملات میں سوویت قانون کثیر الازواجی کیلئے کوئی ترغیب یا تحریک دیتا ہے۔ شادی کے بندھن کے اعداوشمار--- حقیقی اعداد و شمار--- دستیاب نہیں ہیں اور ہو بھی نہیں سکتے۔ مگر اخباری صفحات کے کالموں کے بغیر کوئی یہ یقین کر سکتا ہے کہ بدکاریوں اور تباہ حال شادیوں کا ماسکو انڈیکس نمبر نیو یارک' لنڈن یا پیرس کے مماثل اعداد و شمار سے زیادہ مختلف نہیں ہے اور--- کون جانتا ہے؟--- یہ انڈیکس شاید کہیں زیادہ نیچے ہے۔

عصمت فروشی کے خلاف ایک جانفشاں' صاف و شفاف اور کامیاب جدوجہد جاری رہی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سوویتوں کا بے لگام آزاد جنسی میل ملاپ کو برداشت کرنے کا کوئی ارادہ نہیں جس کا سب سے تباہ کن اور زہریلا اظہار عصمت فروشی ہے۔

ایک دیرپا اور مستقل شادی جس کی بنیاد باہمی محبت اور تعاون پر ہے---- یہی ایک آئیڈیل معیار ہے۔ سوویتوں کے اندر سکول' ادب اور عوامی رائے کے تاثرات اس جانب رجوع کر رہے ہیں۔ پادری اور پولیس کی زنجیروں سے آزاد اور پھر بعد میں معاشی ضرورتوں سے بھی آزاد ایک مرد اور خاتون کے درمیان باہمی بندھن اپنے راستے خود تلاش کرے گا جس کی بنیاد علم افعال الاعضا (Physiology)' نفسیات اور نسل انسانی کی فلاح و بہبود پر ہوگی۔ سوویت حکومت دوسرے مسائل کی طرح اس مسئلے کے حل سے ابھی کافی دور ہے مگر اس مسئلے کے حل کیلئے اس نے پہلے سے ناگزیر سنجیدہ چیزوں کو تخلیق کیا ہے۔ کسی بھی

صورت میں شادی کا مسئلہ غیر معترض روایت اور حالات کی اندھی طاقت کا معاملہ نہیں رہا۔ یہ اجتماعی اسباب کا معاملہ بنادیا گیا ہے۔

ہر سال سوویت یونین میں 55 لاکھ بچے جنم لیتے ہیں۔اموات کی تعداد کی نسبت پیدائش کی تعداد 30 لاکھ سے زائد ہے زارشاہی روس میں آبادی میں اس قدر اضافہ نہ تھا۔محض یہی حقیقت اخلاقی ٹوٹ پھوٹ کے بارے میں بات کرنے کو ناممکن بنادیتی ہے۔ یا روسی آبادی کی زندہ قوتوں کی بے زار حالت کے بارے میں بات کرنے کو ناممکن بنادیتی ہے۔

سوال نمبر (7) کیا یہ درست ہے کہ مباشرت محرمات (ایسی عورتوں سے جنسی تعلق قائم کرنا جن سے نکاح کرنا حرام ہے) کو خلاف قانون جرم نہیں سمجھا جاتا؟

جواب:-- میں تسلیم کرتا ہوں کہ قانونی کاروائی برخلاف جرم کے نقطہ نظر سے اس سوال میں میں نے کبھی دلچسپی نہیں لی۔ یوں میں معلومات حاصل کیئے بغیر کچھ نہیں کہہ سکتا کہ سوویت قانون مباشرت محرمات کے بارے میں اگر کچھ کہتا ہے تو کیا کہتا ہے۔ پھر بھی میرا خیال ہے کہ اس سارے سوال کا تعلق علم جرائم کی نسبت ایک طرف تو علم الامراض کے ساتھ ہے اور دوسری طرف تعلیم سے ہے۔ مباشرت محرمات نسل انسانی کی بقا کی صلاحیت اور پسندیدہ خصوصیات کو کم کردیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحت مند انسانوں کی ایک بہت بڑی اکثریت اسے فطری معیارات کی بے حرمتی تصور کرتی ہے۔

سوشلزم کا مطلب نہ صرف معاشی رشتوں میں عقلیت لانا ہے بلکہ جہاں تک ممکن ہو سکے انسان کے حیاتیاتی افعال میں بھی عقلیت متعارف کروانا ہے۔ سوویت سکول پہلے سے ہی انسانی جذبے اور انسانی جسم کی حقیقی ضرورتوں سے بچوں کو روشناس کرانے کیلئے کوشش کررہے ہیں۔ میرے پاس اس بات پر یقین کرنے کا کوئی سبب موجود نہیں ہے کہ دوسرے ملکوں کی نسبت روس میں مباشرت محرمات کے واقعات کی تعداد زیادہ ہے۔اس کے ساتھ ساتھ میرا یہ بھی خیال ہے کہ اس میدان میں عدالتی مداخلت فائدے کی نسبت نقصان زیادہ کرسکتی ہے

۔میں سوال کرتا ہوں' مثال کے طور پر' اگر برطانوی جج نے بائرن (Byron)
کو جیل بھیجا ہوتا تو انسانیت اس سے مستفید ہوتی ۔

سوال نمبر (8) کیا یہ درست ہے کہ طلاق مانگنے سے مل جاتی ہے؟

جواب: --یقیناً یہ درست ہے ۔یہاں ایک سوال کرنا بھی زیادہ مناسب ہے ۔کیا یہ درست ہے کہ ابھی تک کچھ ممالک ایسے ہیں جہاں بیوی یا شوہر میں سے کسی ایک کے بھی طلب کرنے پر طلاق کا حصول ممکن نہیں؟

سوال نمبر (9) کیا یہ درست ہے کہ سوویتوں میں مردوں اور خواتین کی حرمت وعصمت کا احترام موجود نہیں ہے؟

جواب:-- میرا خیال ہے کہ اس میدان میں عزت و احترام نہیں بلکہ منافقت ہے جو انحطاط اور زوال کا شکار ہوئی ہے ۔کیا اس میں کوئی شک ہے ۔ مثال کے طور پر آئیور کروجر (Ivar Krueger) ماچسوں کا بادشاہ' جو اپنی زندگی میں انتہائی سخت مزاج زاہدانہ طبعیت کا مالک اور سوویتوں کا ناقابل مصالحت دشمن تھا۔ اس نے روسی کوم سومول (Komsomol) لڑکے اور لڑکیوں پر کئی بار بداخلاقی کا اعلانیہ الزام لگایا اس لئے کہ وہ آپس میں بغل گیر ہونے پر چرچ کی رحمت اور کرم نوازی تلاش نہیں کرتے تھے ۔اور اگر مالیاتی تباہی نہ آئی ہوتی تو کروجر (Krueger) نہ صرف سٹاک ایکسچینج کا ایمان دار آدمی بن کر بلکہ اخلاقیات کا بھی بہت بڑا ستون بن کر اپنی قبر میں اترتا ۔لیکن اب پریس کی رپورٹوں کے مطابق کروجر نے مختلف براعظموں میں جو خواتین رکھی ہوئیں تھیں ان کی تعداد اس کی ماچس فیکٹریوں کی چمنیوں کی تعداد سے کہیں زیادہ تھی ۔

فرنچ' انگلش اور امریکن ناولوں میں ڈبل اور ٹرپل خاندانوں کا ذکر ملتا ہے جو استثنائی نہیں بلکہ قانونی ہیں ۔ ایک باشعور جرمن نوجوان تجزیہ نگار کلاؤس مہنرٹ (Klaus Mehnert) جس نے حال ہی میں سوویت یوتھ پر ایک کتاب شائع کی ہے' لکھتا ہے کہ ''یہ سچ ہے کہ روسی نوجوان نیکی اور اچھائی کا مجموعہ کمالات نہیں ہیں---مگر اخلاقی طور پر وہ اپنے ہم عصر جرمنوں سے کم تر

بھی نہیں ہیں'' ۔میرا یقین ہے کہ یہ سچ ہے۔

فروری 1917ء میں نیویارک میں ایک شام کو میں نے زمین دوز چلنے والی گاڑی میں کوئی لگ بھگ دو درجن طلبہ اوران کی گرل فرینڈز کا مشاہدہ کیا۔اگرچہ کہ گاڑی میں بے شمار لوگ ایسے تھے جو ان کے حلقے میں شامل نہیں تھے۔ان جو شیلے شگفتہ خاطر جوڑوں کا رویہ اور طور طریقہ ایسا تھا کہ کوئی دیکھتے ہی فوراً یہ کہہ سکتا تھا کہ اگرچہ یہ نوجوان اصولی طور پر یک زوجیت پر یقین رکھتے ہیں مگر عمل میں یہ کج روی کا شکار ہیں۔

بے کیف امریکن قانون کی تنسیخ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نئی انتظامیہ شراب نوشی کی حوصلہ افزائی کر رہی ہے۔اسی طرح بہت سے ایسے قوانین جن کے بارے میں یہ فرض کیا جاتا تھا کہ یہ گھریلو صحت اور عزت وحرمت کے محافظ ہیں' سوویت حکومت کے ہاتھوں ان کے خاتمے کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ اس سے خاندان کا خاتمہ ہوگا اور بے لگام آزاد جنسی بے راہ روی کی حوصلہ افزائی ہوگی۔اس کا سادہ سا مطلب تو صرف یہ ہے کہ وہ مقصد جس کا حصول ممانعتوں اور بندشوں اور بے جان تبلیغوں سے ممکن نہ ہوسکا اسے مادی اور ثقافتی معیار کو بلند کر کے حاصل کیا جائے۔

سوال نمبر(10) کیا بالشوازم کا حتمی مقصد انسانی زندگی میں شہد کی مکھیوں کا چھتا (گنجان آبادی) یا چیونٹیوں کی دنیا قائم کرنا ہے؟

سوال نمبر(11) کن صورتوں میں بالشوازم کا آئیڈیل اس تہذیب سے متصادم ہے جو اس کرہ ارض پر چھا سکتی تھی اگر حشرات الارض نے کنٹرول حاصل کر لیا ہوتا؟

جوابات:-- دونوں سوالات حشرات الارض کے ساتھ ساتھ انسانوں کے حوالے سے بھی غلط ہیں۔نہ چیونٹیاں اور نہ ہی مکھیاں اس عفریت نمائی کیلئے جواب دہ ہیں جس سے انسانی تاریخ بھری پڑی ہے۔دوسری طرف اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ انسان کتنے برے اور خراب ہیں' ان کے پاس پھر بھی امکانات موجود ہیں جن تک حشرات الارض کی رسائی نہیں ہے۔یہ ثابت کرنا مشکل نہ ہوگا

کہ سوویتوں کا ٹھیک ٹھیک کام انسانی سماج کے اندر چیونٹیوں کی سی خصلت کا خاتمہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ چیونٹیوں اور مکھیوں کے بھی طبقات ہیں: کچھ کام کرتی یا لڑتی ہیں اور کچھ افزائش نسل میں مہارت حاصل کرتی ہیں۔ کیا کوئی ان سماجی افعال کی مہارتوں میں بالشوازم کا آئیڈیل تلاش کرسکتا ہے؟ یہ تو بلکہ موجودہ دور کی تہذیب کی خصوصیات ہیں جو آخری حدوں تک پہنچ گئی ہیں۔

چیونٹیوں کی مخصوص اقسام اپنے جیسے مختلف رنگوں کی چیونٹیوں کو غلام بناتی ہیں۔

سوویت نظام اس سے کسی بھی صورت مشابہت نہیں رکھتا۔ چیونٹیوں نے ابھی تک اپنے جان بروَن (Jotinohn Brown) یا ابراہم لنکن Abraham Lincoln پیدا نہیں کئے۔

بینجمن فرینکلن (Benjamin Franklin) نے انسان کو ''اوزار بنانے والے جانور'' کے طور پر بیان کیا ہے۔ یہ قابل غور عمل توصیف بنیادی طور پر تاریخ کی مارکسی تشریح ہے۔ مصنوعی اوزار یا ہتھیار نے انسان کو حیوانی دنیا سے آزاد کیا ہے اور عقل انسانی کے کام کی قوت محرکہ عطا کی ہے۔ غلامی سے جاگیرداری، سرمایہ داری اور پھر سوویت نظام جیسی تبدیلیوں کا سبب یہی ہے۔

اس سوال کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ ایک کائناتی کنٹرول انفرادیت کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ تو پھر سوویت نظام کی خرابی اس کے بے بہا کنٹرول میں مضمر ہو گی۔ کیا ایسا نہیں ہے؟ پھر سوالات کا ایک اور تسلسل ہے۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے، سوویتوں پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ ذاتی زندگی کے انتہائی فطری پہلوؤں کو ریاستی کنٹرول میں لانے سے انکاری ہیں ---- جن میں محبت، خاندان اور جنسی تعلقات وغیرہ آتے ہیں- تضاد مکمل طور پر عیاں ہے۔

سوویتوں کا کام کسی بھی طریقے سے انسانی عقل اور اخلاقی قوتوں کو کنٹرول میں لانا نہیں ہے۔ اس کے برعکس معاشی زندگی پر کنٹرول کے ذریعے وہ انسانی شخصیت کو منڈی اور اس کی اندھی قوتوں کے تسلط سے آزاد کروانا چاہتے ہیں۔

فورڈ (Ford) نے آٹو موبائل کی پیداوار کنویئر سسٹم (ترسیلی نظام) Conveyor System پر منظم کی اور یوں بے بہا فوائد حاصل کئے جب کوئی پیداوری تکنیک کے اصول کی بات کرتا ہے تو سوشلزم کا کام تمام تر قومی اور بین الاقوامی معیشت کو کنویئر سسٹم پر منظم کرنا ہے' اس کے مختلف حصوں کو درست تناسب اور منصوبہ بندی کی بنیادوں پر منظم کرنا ہے۔ کنویئر اصول کی ایک فیکٹری سے تمام فیکٹریوں اور فارمز تک منتقلی کا مطلب ایسے فوائد ہیں جن کا اگر فورڈ (Ford) کی حاصلات سے تقابلہ کیا جائے تو وہ دستکاری کی ایک چھوٹی سی خستہ حال دکان معلوم ہوگی۔ ایک بار اگر انسان نے فطرت کو تسخیر کر لیا تو پھر اسے روزانہ کی روٹی کیلئے اپنا خون پسینہ نہیں بہانا پڑے گا۔ انسانی شخصیت کی آزادی کیلئے پہلے سے ناگزیر چیز یہی ہے۔ جب روزانہ کی تین یا چار گھنٹے کی محنت انسان کی مادی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے کافی ہوگی تو پھر ہر انسان کے پاس 20 گھنٹے بچیں گے جو ہر طرح کے تسلط اور کنٹرول سے مبرا ہونگے پھر تعلیم' اور انسان کی جسمانی اور روحانی تکمیل جیسے موضوعات عمومی توجہ کا مرکز بنیں گے۔ فلسفیانہ اور سائنسی سکول' ادب کے اندر مخالفانہ رجحانات' فن تعمیر اور دوسرے عمومی فنون نہ صرف اوپر والی پرتوں بلکہ سماج کی تمام آبادی کیلئے پہلی بار حیات بخش لگاؤ کا مرکز بنیں گے۔ معیشت کی اندھی قوتوں سے آزاد' سکولوں' رجحانات اور گروپوں کی جدوجہد ایک وسیع' گہرے آئیڈیل اور بے لوث کردار کو اپنائے گی۔ ایسی فضا میں انسانی شخصیت بے کیف نہ ہوگی بلکہ اس کے برعکس پہلی بار پورے جوبن پر آئے گی۔

سوال نمبر (12) کیا سوویت ازم بچوں کو یہ سکھاتا ہے کہ وہ اپنے والدین کا احترام نہ کریں؟

جواب: -- نہیں ایسی عمومی صورت میں ایسا اصرار محض ایک مضحکہ خیز تصویر معلوم ہوتا ہے۔ پھر بھی یہ سچ ہے کہ تکنیک' نظریات اور طور طریقوں کے میدانوں میں تیز ترین ترقی عمومی طور پر پرانی نسل کے تحکمانہ رویے کو کم کرتی ہے جس میں والدین بھی شامل ہیں۔ جب پروفیسر حضرات ڈارون کے نظریات پر لیکچرز دیتے ہیں تو وہ والدین جو اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اماں حوا نے آدم

کی پسلی سے جنم لیا تھا' ان کا اختیار انحطاط کا شکار ہوتا ہے۔

سوویت یونین میں تمام تر تضادات بے مثال طور پر تیز' مکارانہ اور تکلیف دہ ہیں۔ کوم سومولز (Komsomols) کے طور طریقے ان والدین کے اختیارات سے متصادم ہوتے ہیں جو ابھی تک یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے بیٹے بیٹیوں کی شادی کا سلسلہ میں ان کی رائے اچھی اور ناگزیر ہے۔ سرخ فوج کا وہ جوان جس نے ٹریکٹر اور تھریشر کا استعمال سیکھ رکھا ہے وہ اپنے والد کے تکنیکی اختیار کو تسلیم نہیں کرتا جو لکڑی کے ہل سے کام کرتا ہے۔

اپنی عظمت کو برقرار رکھنے کیلئے باپ اب محض اپنے ہاتھ سے تصویر اولیا یا مذہبی مجسموں کی طرف اشارہ نہیں کر سکتا اور اس خیال یا احساس کو قوت پہنچانے کیلئے اپنے بیٹے کو تھپڑ نہیں مار سکتا۔ والدین روحانی ہتھیار استعمال کرتے ہیں۔ وہ بچے جن کی بنیاد سکول کے سرکاری اختیار پر ہوتی ہے وہ اپنے آپ کو بہتر مسلح سمجھتے ہیں۔ ایسا عمومی طور پر ان خاندانوں میں ہوتا ہے جو نئی حکومت کے بنیادی کاموں کے مخالف ہوتے ہیں۔ پرولتاریہ والدین کی اکثریت اپنے پدرانہ اختیار کے زیاں پر ریاست کی نسبت زیادہ مستعدی سے مصالحت کر لیتی ہے اس سے پہلے کہ ریاست ان کی مادرانہ' پدرانہ پریشانیوں پر غلبہ پالے۔ پھر بھی ان حلقوں میں نسلوں کے تضادات موجود ہیں کسانوں میں یہ زیادہ تیزی اور مکارانہ رویہ اختیار کر لیتے ہیں۔ کیا یہ اچھا ہے یا برا ہے؟ میرا خیال ہے یہ اچھا ہے۔ ورنہ پیش رفت ممکن نہیں۔

مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنا ذاتی تجربہ آپ کے سامنے رکھوں۔ مجھے 17 سال کی عمر میں گھر سے بھاگنا پڑا تھا۔ میرے باپ نے میری زندگی کی راہ متعین کرنے کی کوشش کی تھی۔ میرے والد نے مجھ سے کہا تھا کہ میں جن مقاصد کے حصول کی کوشش کر رہا ہوں' اگلے 300 سال میں ان کا حصول ممکن نہیں۔ اور اس وقت سوال صرف ملوکیت کو اکھاڑ پھینکنے کا تھا۔ بعد میں میرے والد صاحب اپنے اختیارات کی حدود کو سمجھ گئے۔ اکتوبر انقلاب کے بعد انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ انہوں نے کہا'' تمہارا سچ کہیں زیادہ طاقتور تھا۔'' ایسی ہی ہزاروں لاکھوں مثالیں ہیں۔ ایسے واقعات نہایت اہم انقلابی تبدیلی کی تصویر کشی کرتے ہیں جب عمروں کے بندھن پارہ پارہ ہو جاتے ہیں۔

سوال نمبر (13) کیا یہ سچ ہے کہ بالشوازم مذہب کو قابل سزا قرار دیتا ہے اور مذہبی عبادت کو ممنوع قرار دیا ہے؟

جواب:-- یہ دانستہ گمراہ کن توثیقی عمل ہزاروں مرتبہ مکمل طور پر غیر متنازع حقائق، ثبوت اور تصدیق کے ساتھ مسترد کیا جا چکا ہے۔ جانے کیوں یہ ہمیشہ از سرنو اٹھ کھڑا ہوتا ہے؟ شاید اس لئے کہ چرچ خود اپنے آپ کو تکلیف میں محسوس کرتا ہے جب اسے بجٹ اور پولیس فورس کی معاونت حاصل نہیں ہوتی اور اس لئے بھی کہ جب اس کے مخالفین اس کی ایذا رسانیوں اور انتقامی کارروائیوں کا ہدف نہیں ہوتے۔

کئی ریاستوں میں مذہبی عقائد پر سائنسی تنقید جرم سمجھی جاتی ہے۔ کئی ریاستوں میں محض اسے برداشت کیا جاتا ہے۔ سوویت ریاست کا عمل اس کے برعکس ہے۔ مذہبی عبادت کو جرم سمجھنے کی نسبت یہ مختلف مذاہب کے وجود کو برداشت کرتی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ مذہبی عقائد کے خلاف مادی پراپیگنڈے کی کھل کر حمایت بھی کرتی ہے۔ یہ ٹھیک ایسی صورت حال ہے جسے چرچ مذہب کے خلاف ظلم و بربریت تصور کرتا ہے۔

سوال نمبر (14) کیا یہ درست ہے کہ بالشویک ریاست مذہب کی مخالف ہے، پھر بھی جاہل عوام کے تعصّبات سے مالی فوائد حاصل کرتی ہے؟ مثال کے طور پر روسی کسی بھی پادری کے جنت میں داخل ہونے پر یقین نہیں رکھتے جب تک کہ اس کی لاش گلنے سڑنے کے عمل سے محفوظ نہیں رہتی۔ کیا یہی وجہ ہے کہ بالشویکوں نے لینن کی ممی کو مصنوعی طور پر محفوظ کیا ہے؟

جواب:-- نہیں، یہ مکمل طور پر غلط تشریح ہے جس کی بنیاد تعصب اور مخالفت پر ہے۔ میں آزادانہ طور پر کہہ سکتا ہوں کہ چونکہ میں شروع ہی سے ممی بنانے اور مقبرہ بنانے کا پرعزم مخالف رہا ہوں اور اسی طرح لینن کی بیوہ این-کے-کروپسکایا بھی- اس میں کوئی شک نہیں کہ لینن کو بستر مرگ پر اگر ایک لمحے کیلئے بھی یہ پتہ چل جاتا کہ وہ اس کی لاش کے ساتھ فرعون جیسا سلوک کریں گے تو اس نے احتجاج کے ساتھ پارٹی سے پہلے ہی التجا کی ہوتی۔ میں اہم دلیل کے

طور پر اس اعتراض کو سامنے لایا ہوں۔ لینن کے جسم کو اس کے حقیقی جذبے اور شخصیت کے خلاف استعمال نہیں کیا جانا چاہئیے۔ میں نے اس بات کی نشاندہی بھی کی تھی کہ لینن کی لاش کی ممی کا ناقابل تحلیل عمل مذہبی توہمات کو پروان چڑھا سکتا ہے۔ لیونڈ کریسن (Leonid Krassin) 1870-1926 جس نے بظاہر ممی بنانے کے نظریے کیخلاف دفاع کا آغاز کیا تھا' اس نے اعتراض کیا تھا: ''پادریوں کیلئے جو کچھ معجزہ ہے وہی ہمارے ہاتھوں میں تکنیک کا معاملہ ہوگا۔ لاکھوں انسانوں کو پتہ چل سکے گا کہ وہ انسان کیسا تھا جس نے ہماری زندگیوں میں اتنی عظیم تبدیلیاں لائی ہیں۔ سائنس کی مدد سے ہم عوام کی اس قابل غور جواز دلچسپی کی تسلی کرسکیں گے اور ساتھ ہی ساتھ ناقابل تحلیل کے عمل کی پراسراریت کی وضاحت کرسکیں گے۔

یقیناً مقبرے کی تعمیر کا مقصد سیاسی تھا: یعنی استاد کے اختیار کے ذریعے شاگردوں کے اختیار کو دائمی طاقت نظر نہیں آتی۔ مقبرے بنانے والوں کو بتایا جاتا ہے کہ لاش کا گلنے سڑنے کے عمل سے بچاؤ کمیسٹری کا مرہون منت ہے۔

ہمارے جوابات سوویت یونین کی موجودہ صورتحال کی جھوٹی نمائندگی نہیں کرتے یعنی معاشی اور ثقافتی حاصلات کو ہیچ نہیں سمجھتے اور نہ ہی اس کو گھٹا کر پیش کرتے ہیں کہ سوشلزم ایک ایسا مقام ہے جو پہلے سے یہاں آچکا ہے۔ سوویت حکومت ابھی تک ایک عبوری حکومت ہے اور لمبے عرصے تک رہے گی اور اسے بے شمار تضادات اور بے حد مشکلات کا سامنا بھی ہوگا۔ پھر بھی ہمیں حقائق کو انکی ترقی کی روشنی میں پرکھنا چاہئے۔ سوویت یونین نے رومانوف (Romanov) حکومت کی وراثت کا نظم ونسق سنبھالا ہے۔ 15 سال تک یہ دشمن دنیا کے نرغے میں رہی ہے۔

قلعہ بند صورت حال نے آمریت کو بھونڈی شکلیں عطا کیں ہیں۔ روس میں احساس تحفظ کو اجاگر کرنے کیلئے جتنی بھی پالیسیاں شمار کی گئیں ہیں ان میں سب سے کم جاپان کی ہیں۔ لیکن ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ امریکہ جس نے سوویت سرزمین پر سوویت یونین کے خلاف جنگ کا انتظام کیا تھا اس نے آج تک ماسکو کے ساتھ سفارتی تعلقات بحال نہیں کئے جس کے فطری طور پر ملک میں داخلی حکومت پر منفی اثرات مرتب ہوئے ہیں۔

''خاندان میں تھرمیڈور''

یہ آرٹیکل ٹراٹسکی کی مشہور زمانہ کتاب ''انقلاب سے غداری'' The Revolution Betrayed کا اقتباس ہے جو اس نے ناروے میں 1936ء میں تحریر کی تھی۔ اس کا انگریزی میں ترجمہ میکس ایسٹ مین (Max Eastman) نے کیا تھا جو 1937ء میں شائع ہوا۔

اکتوبر انقلاب نے خواتین کے سلسلہ میں اپنے فرائض بڑی دیانت داری سے پورے کئے۔ نومولود حکومت نے خواتین کو مردوں کے برابر نہ صرف سیاسی اور جائز حقوق دیئے بلکہ کسی بھی حکومت کی نسبت سب سے اہم بات معاشی اور ثقافتی کام کے تمام پہلوؤں تک عورت کی رسائی کو ممکن بنایا۔ تاہم یہ عظیم ترین انقلاب، برطانوی پارلیمنٹ' آل پاورفل (All Powerful) کی طرح 'عورت کو مرد میں تبدیل نہیں کرسکتا---اور نہ ہی حمل' پیدائش' دیکھ بھال اور بچوں کی پرورش جیسے بوجھ کو مرد اور خاتون میں برابر تقسیم کرسکتا ہے۔

انقلاب نے خاندان کے نام نہاد چولہے کو تباہ کرنے کی جرات مندانہ کاوشیں کیں---ایک قدیم دقیانوسی' حبس زدہ اور بدبودار ادارہ جس میں محنت کش خاتون بچپن سے لے کر موت تک غلاموں کی طرح محنت کرتی ہے۔ خاندان کی اس چھوٹی سی مقید جگہ پر منصوبوں کے تحت قبضہ کیا جانا تھا جو مندرجہ ذیل ہیں:--دیکھ بھال کی سہولت اور رہائش کا مکمل نظام' زچہ بچہ سنٹرز' بچوں کی نگہداشت کے مراکز' کنڈرگارٹنز' سکولز' سماجی طعام خانے' عوامی لانڈریاں 'فرسٹ ایڈ کے مراکز' خاندان کے تمام گھریلو افعال کی سوشلسٹ سماج کے اداروں کے تحت مکمل تحلیل' تمام نسلوں کا سماجی ہم آہنگی کے تحت اتحاد اور امداد باہمی--یہ سب کچھ ایک خاتون تک پہنچانا اور اس کے ذریعے محبت کرنے والے جوڑوں کو ہزاروں سالوں کی کہنہ جکڑ بندیوں سے آزاد کروا کر ایک حقیقی آزادی دلانا مقصود تھا۔

ابھی تک ان مسئلوں کا حل نہیں کیا گیا ہے۔ 40 ملین سوویت خاندانوں کی

غالب اکثریت خواتین کی غلامی، نفسیاتی مسائل، بچوں کی روزانہ کی تذلیل، زنانہ اور بچگانہ توہمات جیسے قرون وسطیٰ کے گھونسلوں میں رہتی ہے۔اس سلسلہ میں ہمیں اپنے آپ کو دھوکہ میں نہیں رکھنا چاہئے۔سوویت یونین میں خاندان کے مسئلے تک رسائی کیلئے مسلسل تبدیلیاں، حکمران طبقے میں ارتقائی عمل اور سوویت سماج کی حقیقی فطرت کی کردارنگاری کرتیں ہیں۔

آندھی طوفان کے ذریعے پرانے خاندان کو اکھاڑنا ناممکن ثابت ہوا۔اس لئے نہیں کہ مضبوط اداروں کی کمی تھی۔اس لئے بھی نہیں کہ خاندان مردوں کے دلوں میں مضبوطی سے جڑ پکڑے ہوئے تھا۔بلکہ اس کے برعکس حکومت اور اس کی بچوں کی نگہداشت کی سہولیات، کنڈرگارٹنز، اور اس طرح کے اداروں پر وقتی بے اعتمادی کے بعد محنت کش خواتین اور ان کے پیچھے پیچھے ترقی پسند کسانوں نے تمام خاندان کی اشتراکی معیشت اور اس کے ساتھ ساتھ بچوں کی اجتماعی نگہداشت جیسے بے شمار فوائد کو بہت سراہا۔بدقسمتی سے سماج انتہائی غریب اور کم تہذیب یافتہ ثابت ہوا۔ریاست کے حقیقی ذرائع کمیونسٹ پارٹی کے اداروں اور منصوبوں سے مطابقت نہیں رکھتے تھے۔آپ خاندان کو ختم نہیں کر سکتے۔آپ نے اسے تبدیل کرنا ہے۔عمومی کمی، ضرورت اور مانگ کی بنیادوں پر خواتین کی حقیقی آزادی ناقابل احساس ہے۔تجربے نے اس تلخ سچ کو جلد ثابت کردیا ہے جس کو مارکس نے 80 برس قبل وضع کیا تھا۔

اقتصادی بدحالی کے سالوں میں محنت کش اور کسی حد تک ان کے خاندانوں نے فیکٹریوں، سماجی طعام خانوں اور جہاں کہیں ممکن ہوا، کھانا کھایا اور اس حقیقت کو سرکاری طور پر زندگی کی سوشلسٹ تبدیلی کے طور پر لیا گیا۔مختلف ادوار کی مخصوص خصوصیات پر پھر سے توقف کرنے کی ضرورت نہیں ہے: جنگی کمیونزم، نئی معاشی پالیسی اور پہلا پانچ سالہ منصوبہ وغیرہ وغیرہ۔حقیقت یہ ہے کہ 1935 میں خوراک کے حصول کیلئے کارڈسسٹم کے خاتمے کے لمحے سے ہی اچھے درجے کے تمام محنت کشوں نے گھروں میں کھانا کھانا شروع کر دیا۔اس پسپائی کو سوشلسٹ نظام کی بدقسمتی سے تعبیر کرنا درست نہیں چونکہ اس کی عمومی طور پر کوشش کی ہی نہیں گئی

تھی۔لیکن سب سے افسردہ کن چیز محنت کشوں اوران کی بیویوں کی اشترا کی کھانے پینے کی سہولیات کی پرکھ تھی جن کا اہتمام بیوروکریسی نے کیا تھا۔اسی طرح کے نتائج سماجی لانڈریوں کے ضمن میں بھی اخذ کئے جا سکتے ہیں جہاں کپڑے دھونے کی نسبت پھاڑے اور چوری زیادہ کئے جاتے ہیں۔

واپس خاندان کے چولہے کی طرف آتے ہیں۔گھر میں کھانے پکانے اور کپڑے دھونے کا عمل جس کا بڑے شرمیلے انداز میں اہتمام صحافیوں اورگلہ پھاڑ پھاڑ کرتقریریں کرنے والوں نے کیا ہے کا مطلب محنت کشوں کی بیگمات کا امور خانہ داری کی طرف پھر سے لوٹنا ہے----یعنی اس پرانی غلامی کی طرف اگر کمیونسٹ انٹرنیشنل کا سوویت یونین کے اندرسوشلزم کی مکمل اورحتمی فتح کے عزم و استقلال کی آواز فیکٹریوں میں کام کرنے والی محنت کش خواتین تک یقینی طور پر پہنچتی ہےتو پھر گھسے پٹے خاندان کی طرف لوٹنے کاعمل مشکوک ہوجائے گا۔

دیہی خاندان' جونہ صرف گھریلوصنعت بلکہ زراعت کے ساتھ بھی منسلک ہے وہ قصبے کی نسبت کہیں زیادہ مستحکم اور قدامت پسند ہے۔انیمیا کی بیماری کا شکار(خون کی کمی کا مرض) زرعی پنچائیتوں نے پہلے دور میں محض چند ایک اجتماعی ریستوران اوربچوں کی نگہداشت کے مراکز متعارف کروائے تھے۔پہلے اعلانات کے مطابق عمل اجتماعیت خاندانی حلقوں میں فیصلہ کن تبدیلی کا آغاز تھا۔انہوں نے بلاوجہ کسان کی مرغیوں اورمویشیوں کو ضبط نہیں کیا تھا۔ملک بھر میں اجتماعی طعام خانوں کے فاتحانہ آغاز کےمتعلق اعلانات میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں تھی۔لیکن جب پسپائی کا آغاز ہواتو اچانک ان شیخیوں کے سائے سے حقیقت نمودار ہوئی۔

اجتماعی فارم سے کسان محض اپنے لئے روٹی اور جانوروں کیلئے چارا حاصل کرتا ہے۔گوشت' سبزیاں اور ڈیری کی دوسری اشیاء وہ فارم سے متصل پرائیویٹ حصے سے حاصل کرتا ہے۔اورایک بار جب خاندان کی ذاتی کاوشوں سے زندگی کی انتہائی اہم ضروریات حاصل کی جاتی ہیں تو پھراس کے بعداجتماعی ریستورانوں کی بات نہیں کی جاسکتی۔یوں جب یہ مختصرترین بیان کردہ اجتماعی فارم گھریلو سنگ آتشدان کیلئے تخلیق کرتے ہیں تو یہ عورت کے کندھوں پر دوہرا بوجھ

لا دد یتے ہیں۔

بچوں کی نگہداشت کے مراکز میں مستقل سکونت کی کل تعداد 1932ء میں 600.000 تک چڑھ گئی تھی جبکہ کھیتوں میں کام کاج کے دوران صرف موسمی سکونت تقریباً 4,000,000 تھی۔ 1935ء میں بیڈز کی تعداد 5600,000 تھی لیکن مستقل بیڈز کی تعداد کل تعداد کا محض معمولی سا حصہ تھی ۔مزید یہ کہ موجودہ بچوں کی نگہداشت کی سہولیات' حتیٰ کہ ماسکو' لینن گراڈ اور دوسرے شہروں میں بھی تسلی بخش نہیں ہیں۔ایک نمایاں سوویت اخبار یہ شکایت کرتا ہے کہ بچوں کی نگہداشت کے مرکز جہاں بچہ گھر کی نسبت کہیں زیادہ غیر موافق حالات محسوس کرتا ہے وہ بچے کی نگہداشت کا مرکز نہیں بلکہ یتیموں کا دارالامان ہے۔

اگر محنت کشوں کے خاندان بچوں کی نگہداشت کے ان مراکز کی سہولیات سے استفادہ نہیں کرتے تو اس میں حیرانگی کی کوئی بات نہیں۔لیکن محنت کشوں کی بہت بڑی تعداد کیلئے حتیٰ کہ ان ''گھٹیا یتیموں کے دارالامان'' کی تعداد بھی حقیر سی ہے۔حال ہی میں سنٹرل ایگزیکٹیو کمیٹی نے ایک قرارداد متعارف کروائی ہے کہ لاوارث اور یتیم بچوں کی پرورش نجی ہاتھوں میں دی جانی چاہئے۔اپنے سب سے اعلیٰ ترجمان کے ذریعے بیوروکریٹک حکومت نے سوشلزم کے انتہائی اہم عمل کے متعلق اپنے دیوالیہ پن کو تسلیم کیا ہے۔

1930-35ء تک کے 5 سالوں کے دوران کنڈز گارٹنز میں بچوں کی تعداد 370,000 سے بڑھ کر 1,181,000 ہو گئی تھی۔1930ء کی تعداد حیرت انگیز طور پر کم تھی مگر 1935ء کی تعداد بھی سوویت خاندانوں کے سمندر میں محض ایک قطرہ دکھائی دیتی ہے۔مزید تحقیقات بلاشبہ عیاں کریں گی کہ ان کنڈر گارٹنز کا ایک بہت بڑا حصہ انتظامیہ یعنی تکنیکی عملہ' جیسے سٹاخانووسٹ (Stakhanovists) وغیرہ کے خاندانوں سے منسلک ہے۔

زیادہ عرصہ نہیں گزرا اسی سنٹرل ایگزیکٹیو کمیٹی کو واضح طور پر یہ تصدیق کرنے پر مجبور کیا گیا کہ بے گھر اور بے یارو مددگار بچوں کا دیوالیہ نکالنے کی قرارداد کی

کمزور انداز میں تعمیل کی جا رہی ہے۔اس غیر جانبدار اقرار کے پیچھے کیا چیز پوشیدہ ہے۔محض اتفاقیہ طور پر اخبارات کے ذریعے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ صرف ماسکو میں ہزار سے زائد بچے انتہائی نامساعد حالات میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔اس نام نہاد بچوں کے گھرانوں کے دارالخلافے میں تقریباً 1500 بچے ایسے ہیں جنہیں رہنے کیلئے کوئی جگہ نہیں ہے اور انہیں گلیوں میں نکال دیا گیا ہے۔ 1935ء کے خزاں کے دو ماہ کے دوران ماسکو اور لینن گراڈ کے 7,500 والدین کی عدالت میں اس بات پر جواب طلبی ہوئی کہ وہ بچوں کی نگرانی نہیں کرتے اور ان کو آوارہ چھوڑ دیتے ہیں۔انہیں عدالت میں لانے کا کیا فائدہ ہوا؟ کتنے ہزار والدین عدالت میں حاضر ہونے سے چھپے رہے ہیں؟ کتنے ہی بچے ایسے ہیں جو انتہائی نامساعد حالات میں زندگی بسر کر رہے ہیں مگر وہ ریکارڈ پر موجود نہیں ہیں؟ محض مشکل حالات اور انتہائی نامساعد حالات میں کیا فرق ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے جوابات نہیں ہوتے۔عیاں اور نہاں طور پر اتنی بڑی تعداد میں بچوں کی بے سروسامانی براہ راست سماجی بحرانوں کا نتیجہ ہے جن میں پرانا خاندان کہیں زیادہ سرعت سے تحلیل ہوتا اس سے پہلے کہ نئے اداروں میں اس کے متبادل کی صلاحیت پیدا ہو۔

اخبارات کی ان اتفاقیہ رپورٹوں اور فوجداری ریکارڈ سے کوئی بھی قاری سوویت یونین کے اندر عصمت فروشی کے وجود کا اندازہ کر سکتا ہے---یعنی مردوں کے مفادات کی قیمت پر خواتین کی انتہائی پستی اور انحطاط گذشتہ سال (1935ء کے موسم خزاں کے دوران ازوسٹیا (Izvestia) نے اچانک اپنے قارئین کو مطلع کیا کہ ماسکو میں ایسی ہزاروں خواتین کو گرفتار کیا گیا ہے جو گلیوں میں چوری چھپے اپنے آپ کو پرولتاریہ کی جمع پونجی پر بیچتی تھیں۔ان گرفتار ہونے والی خواتین میں 117 محنت کش خواتین 92 کلرک اور 5 یونیورسٹی کی طالبات تھیں۔کونسی چیز انہیں اس پگڈنڈی پر لے آئی تھی؟ نامناسب اجرتیں، ضرورت اور مانگ--- تاکہ تن پر لباس اور پاؤں میں جوتوں کی خاطر انہیں کچھ نہ کچھ مل جائے۔ہمیں جرات مندانہ انداز میں اس سماجی برائی کے طول وعرض کی ٹھیک ٹھیک تلاش کرنی

چاہئے۔ پاک دامن بیوروکریسی ماہرین شماریات کو خاموش رہنے کا حکم دیتی ہے۔ لیکن یہی جبراً خاموشی ہی سوویت طوائفوں کے طبقے کی کثرت اور بہتات کی ٹھیک ٹھیک تصدیق کرتی ہے۔ یہاں بنیادی طور پر ماضی کے نوادرات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ طوائفوں کی بھرتی نوجوان نسل سے کی جاتی ہے۔ یقیناً کوئی بھی معقول شخص اس ناسور کا الزام پرانی سوویت حکومت کے سرتھوپنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ لیکن اس عصمت فروشی کی موجودگی میں سوشلزم کی فتح کی بات کرنا ناقابل معافی جرم ہے۔ جہاں تک اخبارات کو اس مکارانہ موضوع کو چھیڑنے کی اجازت ہے، وہ اس یقین پر زور دیتے ہیں کہ عصمت فروشی کی تعداد گھٹ رہی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ 33-1931ء کے انحطاط اور بھوک کے سالوں کی نسبت یہ حقیقتاً درست ہے۔ لیکن براہ راست راشن مہیا کرنے کے عمل کے خاتمے کے ساتھ روپے پیسے کے رشتوں کی جو بحالی ہوئی ہے وہ ناگزیر طور پر بچوں کی بے سروسامانی کے ساتھ ساتھ عصمت فروشی کی نئی نشوونما کی سمت لے جائے گی۔ جہاں کہیں بھی مراعات یافتہ ہوتے ہیں، وہاں اچھوت بھی ہوتے ہیں جن کا حقہ پانی بند ہوتا ہے۔

بچوں کی اتنی بڑی تعداد میں بے سروسامانی بلاشبہ اور بجا طور پر ماں کے کٹھن حالات میں المیہ علامت ہے۔ اس موضوع پر حتیٰ کہ انتہائی رجائیت پسند پراودا (Pravda) بھی بعض اوقات تلخ اقرار کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ ایسے حالات میں کئی خواتین کیلئے بچے کی پیدائش ایک وبال بن جاتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ بات انصاف پر مبنی ہے کہ انقلابی قوت نے خواتین کو اسقاط حمل کا حق دیا تھا۔ جو مانگ، ضرورت یا خاندان کی مفلسی کے حالات میں ثقافتی، سیاسی یا سول حقوق میں سے سب سے اہم حق ہے۔ تاہم خواتین کا یہ حق بھی موجودہ سماجی ناہمواری، جو کہ استحقاق میں تبدیل کی جارہی ہے کہ زیراثر انتہائی تاریک ہے۔ اسقاط حمل کے متعلق معلومات کے وہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے جو شعبدہ بازی سے پریس کی زینت بنتے ہیں، بلامبالغہ قابل افسوس ہیں۔ 1935ء میں یورالز (Urals) کے ایک ضلع کے ایک دیہی ہسپتال میں دائیوں کے ہاتھوں 195 خواتین اپاہج ہوئی ہیں

---- ان میں 33 محنت کش خواتین' 28 دفتری ورکرز' 65 اجتماعی فارم کی خواتین اور 58 گھریلو خواتین تھیں۔ یہ یورال ڈسٹرکٹ دوسرے اضلاع کی اکثریت سے مختلف اس لیے ہے کہ اس کے متعلق معلومات پریس تک پہنچ گئی ہیں۔ پورے سوویت یونین میں کتنی ہی خواتین ہر روز اپاہج کردی جاتی ہیں؟۔

وہ خواتین جو اسقاط حمل پر مجبور ہوتی ہیں ان کے لئے ناگزیر طبی امداد کی نااہلیت کے آشکار ہونے پر ریاست بڑی پھرتی سے اپنا راستہ تبدیل کرتی ہے اور اسقاط حمل کی ممانعت کا راستہ اختیار کرتی ہے۔ اور مجبوری کو نیکی بنا لیتی ہے ۔سوویت عدالت عظمیٰ کے اراکین میں سے ایک جس کا نام سولٹز (Soltz) ہے۔ وہ ازدواجی معاملات کا ماہر بھی ہے۔ وہ اسقاط حمل کی ممانعت کی بنیاد اس حقیقت پر استوار کرتا ہے کہ ایک ایسا سوشلسٹ سماج جہاں بے روزگاری نہیں ہوتی وغیرہ وغیرہ' وہاں عورت کو ممتا کی خوشیوں سے انکار کرنے کا کوئی حق نہیں۔ پادری کا فلسفہ ایک سپاہی کی طاقت بھی عطا کرتا ہے۔ ہم نے حکمران پارٹی کے مرکزی ترجمان سے حال ہی میں سنا ہے کہ کئی ایک خواتین کیلئے بچے کی پیدائش' بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ خواتین کی غالب اکثریت کیلئے بچے کی پیدائش' ان کے ان حالات میں پریشانی کا سرچشمہ ہے۔ ہم نے کچھ عرصہ پہلے ایک اعلیٰ سوویت ادارے سے سنا ہے کہ بے گھر اور بے یارومددگار بچوں کا ایک کمزور طریقے سے دیوالیہ نکالا جارہا ہے جس کا بلاشبہ مطلب بچوں کی بے سروسامانی میں اضافہ ہے۔لیکن یہاں ایک اعلی سوویت جج ہمیں بتاتا ہے کہ ایک ایسا ملک جہاں زندگی خوشگوار ہے وہاں اسقاط حمل پر قید کی سزا دی جانی چاہیئے---- بالکل سرمایہ دار ممالک کی طرح جہاں زندگی بہت کٹھن اور دردانگیز ہے۔

یہ پہلے سے واضح ہے کہ مغرب کی طرح سوویت یونین میں بھی جو جیلر کے پنجے میں آئیں گے وہ زیادہ تر محنت کش خواتین' کسان خواتین اور ملازمین ہونگے جو اپنے مسائل کو پوشیدہ رکھنا مشکل سمجھتے ہیں۔ جہاں تک ہماری خواتین کا تعلق ہے ' جو اعلیٰ قسم کی پرفیومز اور دوسری خوشگوار اشیاء کے مطالبات پورے کرتے ہیں وہ پہلے ہی اس کی تعمیل یوں کریں گے جیسے وہ کسی شفیق اور مہربان حاکم مجاز کے ماتحت

حکم کی تعمیل ناگزیر سمجھتے ہیں۔سولٹز (Solts) بے سروسامانی سے آنکھیں بند کیئے اپنی گفتگو کا اختتام یوں کرتا ہے: ''ہمیں عوام چاہیئے'' اگر بیوروکریسی نے لاکھوں محنت کش خواتین کے لبوں پر مہر سکوت نہ لگائی ہو تو پھر ان کا جواب یہ ہوسکتا ہے: ''پھر انہیں برداشت کرنے کی تمہارے اندر مروت اور مہربانی کی بھی ضرورت ہے۔''

ایسا لگتا ہے کہ ان شرفاء نے یہ بات مکمل طور پر بھلادی ہے کہ سوشلزم کا کام ان اسباب کا خاتمہ کرنا تھا جو کسی خاتون کو اسقاط حمل پر مجبور کرتے ہیں نہ کے پولیس کی مدد سے کسی خاتون کی زندگی کے انتہائی نجی پہلوؤں میں مداخلت کرنا اور اسے ممتا کی خوشیاں حاصل کرنے پر مجبور کرنا ہے۔

اسقاط حمل کی ممانعت کے قانون کا مسودہ نام نہاد عوامی بحث کیلئے پیش کیا گیا۔سوویت پریس میں تلخ شکایات اور احتجاج پھوٹ پڑا۔ بحث اتنی ہی اچانک ختم کردی گئی جتنی اچانک اس کا اعلان ہوا تھا اور 27 جون کو سنٹرل ایگزیکیٹو کمیٹی نے اس بے ہودہ مسودے کو تین گنا زیادہ بے ہودگی اور بے شرمی سے قانون کا درجہ دے دیا۔حتیٰ کہ بیوروکریسی کے کچھ سرکاری معذرت خواہ بھی اس پر حیران اور پریشان ہوئے۔لوئیز فشر(Louis Fischer) نے اس قانون سازی کو افسوس ناک غلط فہمی قرار دیا۔ چند استثنیات کے علاوہ خواتین کے خلاف یہ نیا قانون حقیقت میں تھرمیڈورئین ردعمل کا فطری اور منطقی پھل ہے۔

خاندان کی فاتحانہ بحالی بتدریج ہورہی ہے----کتنا خوش قسمت اتفاق ہے---- روبل کی بحالی سے ریاست کا مادی اور ثقافتی دیوالیہ بھی ہورہا ہے۔واضح طور پر کہنے کی بجائے لیڈرز ٹوٹے ہوئے خاندان کے خول کو پھر سے جوڑنے کیلئے عوام پر زور دے رہے ہیں۔یہی نہیں بلکہ اس کو کامیاب سوشلزم کا مقدس مرکز سمجھنے پر زور دے رہے ہیں۔اور جو ایسا نہیں سمجھتا اس کے لئے جرمانے کی انتہائی سزاؤں کی دھمکیاں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے عوام' اپنے بچوں اور اپنے پوتے پوتیوں کے درمیان اشتراکی رشتوں کا آغاز کیا ہے اور وہ اس مقصد کو محسوس کریں گے۔اس پسپائی کی وسعت کو عام آنکھ سے ناپنا کافی مشکل

ہے۔

قانون ساز اور ادیب، عدالت اور فوج، اخبار اور سکول، ہر ایک شخص اور ہر ایک چیز کو گھسیٹ کر ایک نئی راہ پر لایا گیا ہے۔ جب کوئی سادہ مزاج دیانتدار نوجوان کمیونسٹ اپنے اخبار میں لکھنے کی جرات کرتا ہے: ''آپ اپنے آپ کو اس مسئلے کے حل میں مشغول رکھیں گے کہ عورت خاندان کی جکڑ بندیوں سے کیسے نجات حاصل کر سکتی؟ ہے تو آپ یہ اچھا کام کریں گے۔'' جواب میں وہ دو چار تھپڑ حاصل کرتا ہے---- اور خاموش ہو جاتا ہے۔ کمیونزم کی الف، ب کو بائیں بازو کی انتہا قرار دیا گیا ہے۔ غیر مہذب، اجڈ اور ناشائستہ لوگوں کے فرسودہ تعصّبات کو نئی امید اور نئے اعتماد کے نام پر پھر سے زندہ کیا جا رہا ہے۔ اس اتنے بڑے ملک کے ہر ایک کونے اور گوشے کی روزمرہ کی زندگی میں کیا ہو رہا ہے؟ خاندانی حلقوں میں تھرمیڈورئن ردعمل کی گہرائی کو پریس تو محض ایک دھندلے سے انداز میں پیش کرتا ہے۔

چونکہ انجیل کی پر جوش تبلیغ کا مقدس جذبہ گناہ کو بڑھنے سے پروان چڑھا ہے۔ حکمران طبقے میں حاکمیت یا کمان کرنے کا ساتواں خدائی حکم بہت مقبولیت حاصل کر رہا ہے۔ سوویت واعظوں اور مبلغین نے محض تھوڑا سا انداز بیان بدلنا ہے۔ طلاقوں کے آسان حصول کے خلاف کھم کھلا مہم کا آغاز ہو چکا ہے۔ قانون سازوں کی تخلیقی سوچوں نے پہلے ہی طلاق کی رجسٹریشن پر پیسے بٹورنے کا ''اشتراکی'' معیار قائم کر لیا ہے۔ اور جب طلاق کی شرح بڑھ جائے تو رقم کی بڑھوتری کا بندوبست بھی کر لیا ہے۔ ہم نے یوں ہی نہیں کہا ہے کہ خاندان کی بحالی اور روبل کے بڑھتے ہوئے بصیرت افروز کردار میں مکمل ہم آہنگی ہے۔ بلاشبہ ٹیکس، رجسٹریشن کے عمل کو ان کیلئے مشکل بنا دیتا ہے جن کیلئے ادائیگی کرنا مشکل کام ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ بالائی پرتوں کیلئے ادائیگی مشکل نہ ہوگی۔ مزید یہ کہ وہ لوگ جن کے پاس عمدہ گھر، اچھی گاڑیاں اور دوسری اچھی چیزیں ہیں وہ غیر ضروری تشہیر کے بغیر اپنے معاملات کا انتظام کرتے ہیں اور نتیجتاً بغیر کسی رجسٹریشن کے یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ سماج کی تہوں میں صرف عصمت فروشی ہے جس کا کردار

انتہائی برا اور تذلیل سے پر ہے۔سوویت سماج کی بلندیوں' جہاں طاقت اور عیاشیاں یکجا ہیں وہاں عصمت فروشی چھوٹی چھوٹی باہمی خدمات کی شاندار صورت اختیار کر لیتی ہے حتیٰ کہ وہ ''اشترا کی خاندان'' کا پہلو اختیار کر لیتی ہے۔ہم پہلے ہی سوسنووسکی (Sosnovsky) کی زبانی حکمران طبقے کے زوال میں ''آٹو موبائل داشتاؤں کا حرم رکھنے کا عمل (حرم فیکٹر)'' کی اہمیت کے بارے میں سن چکے ہیں۔سوویت یونین کے دوسرے دوستوں کی طرح بربطی شاعری اور علمیت کے پاس بھی کچھ دیکھنے کیلئے آنکھیں نہیں ہیں۔شادی اور خاندان سے متعلق اکتوبر انقلاب کے قائم کیے گئے قوانین جو کبھی جائز فخر کی جیتی جاگتی مثال تھے وہ اب بورژوا ممالک کے قوانین کے خزانوں سے وسیع تر قرض لینے کے باعث ختم کئے جا رہے ہیں۔یہ کتنی بڑی مضحکہ خیز سازش ہے کہ جو دلائل اس سے پہلے طلاق اور اسقاط حمل کی غیر مشروط آزادی کے حق میں پیش کئے جا رہے تھے--- جیسا کہ ''خواتین کی آزادی'' ''شخصیت کے حقوق کا دفاع'' ''ممتا کا تحفظ'' وغیرہ--- اب ان کی بندش اور مکمل ممانعت کے حق میں دیئے جا رہے ہیں۔

پسپائی نہ صرف ایک گھناؤنی منافقت کا روپ دھارتی ہے بلکہ مضبوط معاشی ضرورتوں کے مطالبات کی نسبت لامحدود طور پر دور ہوتی جا رہی ہے۔معروضی اسباب جوان بورژوا حالات کو جنم دے رہے ہیں جیسا کہ نان ونفقہ کی نقد ادائیگی وغیرہ' اس کے علاوہ حکمران طبقے کے سماجی مفادات بھی ہیں جوان بورژوا قوانین کو وسعت دینے میں پنہاں ہیں۔خاندان کے موجودہ مسلک کا سب سے اہم مدعا' بلاشبہ' مستحکم رشتوں کی ترتیب وجود' اقتدار اور طاقت کو برقرار رکھنے کیلئے 40 ملین نوجوانوں کو نظم وضبط میں رکھنا ہے اور اس کے لئے بیوروکریسی کی ضرورت ہے۔

ریاست کے ہاتھوں نئی نسلوں کی تعلیم وتربیت پر توجہ میں امید کی رمق باقی تھی۔حکومت بڑوں کی بالادستی کی حمایت سے نہ صرف لاتعلق تھی' خاص طور پر والدین کی بالادستی سے' بلکہ اس کے برعکس اس نے بچوں کو خاندان سے الگ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی تا کہ انہیں زندگی کی بوسیدہ روایات سے محفوظ رکھا جا سکے۔کچھ

ہی عرصہ قبل' پہلے پانچ سالہ منصوبے کے دوران' سکولز اور کمیونسٹ یوتھ' بچوں کو تشہیر کے طور پر استعمال کر رہے تھے اور عمومی طور پر شرابی والدین اور مذہبی ماؤں کو پھر سے تعلیم دے رہے تھے---کتنی کامیابی کے ساتھ یہ ایک الگ سوال ہے۔ اس طریقہ کار کا مطلب' ہر قیمت پر' والدین کی بالادستی کو بنیادوں سے ہلانا تھا۔ اس میدان میں بھی بڑی تیزی سے پلٹا کھایا گیا ہے جو کہ غیر اہم نہیں ہے۔ ساتویں حکم الٰہی کے ساتھ ساتھ پانچواں بھی اپنے تمام تر حقوق کے ساتھ بحال کیا گیا ہے---اور یقین جانیئے خدا کا کوئی حوالہ دیئے بغیر۔ فرانسیسی سکول بھی اس ضمیمے کے بغیر پیش رفت کرتے ہیں اور بغیر کسی رکاوٹ کے بچوں کے ذہنوں میں قدامت پرستی کو راسخ کرتے ہیں۔

پرانی نسل کی بالادستی کے متعلق فکر مندی پہلے ہی مذہبی معاملات کی پالیسی میں تبدیلی کی طرف لے آئی ہے۔ خدا کا انکار' اس کی معاونت' اور اس کے معجزے وغیرہ' وہ تیز دھار کھونٹا ہے جسے انقلابی طاقت کھینچ کر بچوں اور انکے والدین کے درمیان لے آئی ہے۔ ثقافتی ترقی میں آگے نکل جانا' سنجیدہ پروپیگنڈا' سائنسی تعلیم' چرچ کے خلاف جدوجہد وغیرہ یاروسلاوسکی (Yaroslavsky) جیسے لوگوں کی راہنمائی میں یہ سب کچھ اکثر زوال پذیر ہو کر ایک مسخرہ پن' ایک چھیڑ خانی بن کر رہ گیا۔ خاندان کی طرح جنت پر ہونے والی بوچھاڑ اور بادوباراں اب ختم کر دی گئی ہے۔ بیوروکریسی اپنی عزت وتوقیر کی ساکھ برقرار رکھنے کے بابت پریشان تھی۔ اس نے نوجوان کو (جو خدائی سہارے کے بغیر) حکم دیا کہ وہ اپنے دفاعی ہتھیار پھینک دیں اور کتابوں پر توجہ دیں۔ مذہب کے معاملہ میں ایک طنزیہ غیر جانب دار حکومت قائم کی جا رہی ہے۔ لیکن یہ محض ایک پہلا مرحلہ ہے۔ اگر حالات وواقعات کا انحصار انہی لوگوں پر ہوا جو اقتدار میں ہیں تو دوسرے اور تیسرے مرحلے کی پیشین گوئی کرنا مشکل نہیں ہے۔

مروجہ رائے کی منافقت ہر جگہ پروان چڑھی ہے اور ہمیشہ سماجی حالات کے متوازی پروان چڑھتی ہے---- جیسے سماجی حالات کے مربع اور مکعب ہوتے ہیں۔ ایسا اندازہ' آئیڈیالوجی کا ایک مشہور قانون ہے جس کا ترجمہ حساب کی

زبان میں کیا گیا ہے۔سوشلزم کے اگر کوئی معنی ہو سکتے ہیں تو وہ بغیر کسی لالچ کے انسانی رشتے' حسد اور فریب کے بغیر دوستی اور کینے اور خود غرضی کے بغیر محبت کے ہیں۔ سرکاری نظام عقائد اعلان کرتا ہے کہ یہ مثالی نمونے پہلے محسوس کیے جا چکے ہیں۔---اور حقیقت کہیں زیادہ اونچی آواز میں اور اصرار کے ساتھ ان اعلانات کے خلاف احتجاج کرتی ہے۔ مثال کے طور پر کمیونسٹ یوتھ کا نیا پروگرام جسے اپریل 1936ء میں اختیار کیا گیا' اس پروگرام کے مطابق: ''مرد اور خواتین کی حقیقی برابری کی بنیاد پر ایک نیا خاندان معرض وجود میں آ رہا ہے جس کا پھلنا پھولنا سوویت ریاست کی سب سے اہم دلچسپی ہوگی۔''

ایک سرکاری اہلکار اس پروگرام میں یوں اضافہ کرتا ہے: ''ہماری نوجوان نسل اپنے جیون ساتھی (بیوی یا خاوند) کے انتخاب کے سلسلہ میں صرف ایک ہی تحریک' ایک ہی مقصد سے آگاہ ہے: وہ ہے محبت۔ ہماری ابھرتی ہوئی نوجوان نسل میں روپے پیسے اور آسودگی سے متعلق بورژوا شادی کا کوئی تصور نہیں ہے۔'' (پراودا 4 اپریل1936ء) جہاں تک عام محنت کش مرد و خواتین کا تعلق ہے یہ بات بمشکل ہی درست ہے۔ لیکن سرمایہ دارانہ ممالک کے محنت کشوں کے اندر ''روپے پیسے کیلئے شادی'' کا تصور نسبتاً کم ہے۔ درمیانی اور بالائی پرتوں میں معاملات بالکل مختلف ہیں۔ نئی اشتراکی گروہ بندیاں ذاتی تعلقات پر خود بخود اپنے نقش ثبت کرتیں ہیں۔ جنسی تعلقات میں دولت اور طاقت کی پیدا کردہ برائیاں سوویت بیوروکریسی میں یوں عیاشیانہ طور پر پروان چڑھ رہی ہیں جیسے ان کی منزل اس میدان میں مغربی بورژوازی پر سبقت لے جانا ہو۔

اوپر نقل کئے گئے ''پراودا'' کے دعوے کے بالکل الٹ' سوویت پریس کے اتفاقیہ بے تکلفانہ اقرار کے مطابق ''روپے پیسے آسودگی اور سہولت کی غرض سے شادی'' کا رواج مکمل طور پر دوبارہ بحال کر دیا گیا ہے۔ تعلیمی قابلیت' اجرتیں' ملازمت' ملٹری یونیفارم پر شیوران (وی V شکل کا امتیازی نشان جو نان کمیشنڈ فوجی آفیسر' پولیس کے آدمی اور دوسرے محکموں کے باوردی ملازمین اپنی آستینوں پر لگائے رکھتے ہیں تاکہ ان کے عہدے' درجے اور محکمے کی شناخت ہو

سکے) وغیرہ کی تعداد زیادہ سے زیادہ اہمیت حاصل کرتے جا رہے ہیں چونکہ ان کے ساتھ جوتوں، فروالے کوٹ، گھروں، باتھ رومز ---اور حتمی خواب---گاڑی کے سوالات منسلک ہیں۔ ماسکو میں ہر سال محض ایک کمرے کے حصول کیلئے بے شمار بندھن بندھتے اور ٹوٹتے ہیں۔ رشتے داروں کے سوال نے استثنائی اہمیت حاصل کر لی ہے۔ سسر کا ملٹری کمانڈر یا بااثر کمیونسٹ ہونا بہت سودمند ہے اور اسی طرح ساس بھی اگر معزز حکومتی اہلکار یا عہدے دار ہو تو کیا ہی بات ہی۔ کیا اس پر ہمیں تعجب ہوسکتا ہے؟ کیا اس کے برعکس بھی ہوسکتا تھا؟

سوویتوں کی عظیم کتاب میں سب سے ڈرامائی باب ان سوویت خاندانوں کی ٹوٹ پھوٹ اور انتشار کی داستان ہوگی جہاں شوہر نے بحیثیت پارٹی ممبر، ٹریڈ یونینسٹ، ملٹری کمانڈر یا منتظم ترقی کی، آگے بڑھا اور زندگی کے مزے لوٹے اور زوجہ خاندان کے ہاتھوں کچلی گئی اور اپنے پرانے معیار پر ہی پڑی رہی۔ سوویت بیوروکریسی کی دونسلوں کی شاہراہ پیچھے چھوڑی گئی اور ٹھکرائی گئیں خواتین کے المیوں سے بھری پڑی ہے۔ ایسے ہی عجیب مظاہر اب نئی نسل میں دہرائے جاتے ہیں۔ سب سے بڑی بربریت اور غیر مہذب پن بیوروکریسی کی بالائی پرتوں میں موجود ہے جہاں غیر مہذب نودولتیوں کی ایک بہت بڑی تعداد موجود ہے جو سمجھتے ہیں کہ انہیں ہر ایک چیز اور ہر ایک کام کی اجازت ہے۔ مذہبی جوش وخروش و جذبے والے انجیل کے پرجوش مبلغین، خاندانی اخلاقیات کے درس دینے والے، ممتا کی خوشیوں کو ناگزیر قرار دینے والے جن کی موجودہ پوزیشن قانونی کاروائی سے مستثنیٰ ہے، ایک نہ ایک دن دستاویزات، سوانح حیات اور یاداشتیں خواتین کے ساتھ تعلقات میں ان کے کھلم کھلا جرائم سے نقاب ہٹا دیں گی۔

نہیں، سوویت یونین کی خاتون ابھی آزاد نہیں ہے۔ قانون کی نظر میں کسان اور محنت کش خواتین کی نسبت مکمل برابری لامحدود طور پر بالائی پرتوں، بیوروکریسی کی نمائندہ خواتین، تکنیکی اور تدریسی طور پر کام کرنے والی خواتین کو دی گئی ہے۔ جب تک سماج خاندان کی مادی تشویش پر توجہ دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس وقت

تک ماں اس شرط پر سماجی افعال کامیابی کے ساتھ سرانجام دے سکتی ہے کہ وہ اپنی خدمت میں ایک فروخت شدہ لڑکی بھی ہے' ایک نرس بھی ہے' ایک نوکرانی بھی ہے اور ایک باورچن بھی ہے وغیرہ وغیرہ۔ 40 ملین خاندان جو سوویت یونین کی آبادی کا 5 فیصد یا 10 فیصد ہیں وہ اپنے چولہے چوکے کا انتظام براہ راست یا بالواسطہ طور پر گھریلو غلامی کی محنت پر کرتے ہیں۔ سوویت نوکروں کی درست مردم شماری' سوویت یونین میں خواتین کی اشترا کی جانچ' تشخیص اور قیمت منصوبہ بندی کیلئے اتنی ہی اہمیت کی حامل ہوگی جتنا کہ تمام سوویت ضابطہ قانون---اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ وہ کتنا ترقی پسند ہے۔ محض اسی وجہ سے سوویت یونین کی شماریات نوکروں کو ''محنت کش خواتین'' یا کسی اور کا لبادہ اوڑھا دیتی ہے۔

خاندان کی ماں کی صورت حال جو ایک معزز کمیونسٹ ہے' اس کے پاس باورچی ہے' سٹور پر آرڈر دینے کیلئے گھر میں ٹیلی فون کی سہولت موجود ہے' خوشگوار سفر کیلئے اپنی گاڑی کی سہولت ہے وغیرہ وغیرہ' اس کا محنت کش خاتون کے ساتھ کچھ بھی مشترک نہیں جسے دکان تک پیدل دوڑنا پڑتا ہے' اپنے لئے خود شام کو کھانا پکانا پڑتا ہے اور بچے کو پیدل کنڈر گارٹن لے جانا پڑتا ہے---اگر حقیقتاً اس کے بچے کو کنڈر گارٹن کی سہولت میسر ہے تو۔ سوشلسٹ لیبل اس سماجی تضاد کو چھپا نہیں سکتے جو کسی بھی مغربی ملک کی محنت کش خاتون اور ایک بورژوا لیڈی کے درمیان فرق سے کم نہیں ہے۔

ایک حقیقی سوشلسٹ خاندان' جس کے اندر سے سماج روزانہ کی پریشانی' رنجیدگی' دکھ درد اور ناقابل برداشت تذلیل اور تشویش کو مٹا دے گا تو پھر اسے گروہ بندی یا رجمنٹ آرائی کی کوئی ضرورت نہ ہوگی' اسقاط حمل اور طلاق کے قوانین نہیں ہونگے۔ اور انسانی قربانیوں عصمت فروشی کے کوٹھوں کی صرف یاد ہی باقی رہ جائے گی۔ اکتوبر قانون سازی نے ایسے خاندان کی سمت جراتمندانہ قدم اٹھایا تھا۔ معاشی اور ثقافتی پس ماندگی نے انتہائی ظالم ردعمل کو جنم دیا ہے۔ تھرمیڈورئن قانون سازی بورژوا نمونوں پر اپنی پسپائی کا رونا رو رہی ہے۔ اپنی

پسپائی پر پردہ ڈالنے کیلئے نئے خاندان کے تقدس کے گیت گا رہی ہے اور جھوٹی تقریریں ہو رہی ہیں۔ اس سوال پر بھی سوشلسٹ دیوالیہ پن اپنے آپ پر منافقانہ مہذب پن کا پردہ ڈالتا ہے۔

مخلص مشاہدین بھی ہیں جو خاص طور پر بچوں کے سوال پر اعلیٰ اصولوں اور خوفناک حقیقت کے درمیان تضاد پر کانپ اٹھتے ہیں۔ بے گھر بچوں کے خلاف کیے گئے مجرمانہ اقدامات کی حقیقت ہی یہ ثابت کرنے کیلئے کافی ہے کہ بچوں اور خواتین کے دفاع میں کی جانے والی سوشلسٹ قانون سازی محض بدنما منافقت کے سوا کچھ نہیں۔ کچھ دوسری قسم کے مشاہدین ہیں جنہیں ان نظریات کی وسیع النظری اور اعلیٰ ظرفی کا دھوکہ دیا جاتا ہے جنہیں انتظامی اداروں اور قوانین کا لبادہ پہنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ جب مشاہدہ کرنے والے کنگال' نادار اور محتاج ماؤں' طوائفوں اور بے گھر بچوں کو دیکھتے ہیں تو یہ رجعت پسند انہیں بتاتے ہیں کہ مادی دولت کی مزید بڑھوتری بتدریج ان سوشلسٹ قوانین کے اندر جان ڈال دے گی۔

یہ فیصلہ کرنا آسان نہیں ہے کہ سوشلزم تک رسائی کے ان دونوں طریقوں میں سے کونسا زیادہ غلط اور نقصان دہ ہے۔ لوگ تاریخی اندھے پن کے ساتھ چمٹے رہنے کی وجہ سے منصوبہ بندی کی وسعت کو دیکھنے کی بصارت نہیں رکھتے۔ ترقی کے پہلے مرحلوں کی اہمیت اور اس کے ذریعے کھلنے والے بے بہا امکانات کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف ان لوگوں کی سست اور بنیادی طور پر لاتعلق' سرد مہری رجائیت پسندی پر غضبناک اور برہم نہ ہونا بھی ناممکن ہے جو سماجی تضادات کی نشوونما پر اپنی آنکھیں موند لیتے ہیں اور مستقبل میں جھانکتے رہنے سے اپنے آپ کو آرام و سکون پہنچاتے رہتے ہیں اور اپنے مستقبل کی کنجی بڑے مودبانہ انداز میں افسر شاہی کے ہاتھوں میں رہنے دینے کی تجویز پیش کرتے ہیں۔ اگرچہ اسی افسر شاہی کے ہاتھوں مرد اور خواتین کے درمیان حقوق کی برابری' حقوق کی محرومی کی برابری میں تبدیل نہیں ہوئی تھی اور اگرچہ ذہانت کی کسی کتاب میں یہ پختہ وعدہ کیا گیا تھا کہ سوویت افسر شاہی آزادی کے بدلے کوئی نیا استبداد متعارف نہیں کروائی گی۔

مرد نے عورت کو کیسے غلام بنایا؟ استحصال کرنے والے نے ان دونوں کو اپنے شکنجے میں کیسے جکڑا؟ محنت کرنے والے نے اپنے لہو کی قیمت پر غلامی سے نجات کیلئے کیسے جدوجہد کی اور محض ایک زنجیر کے بدلے دوسری پہن لی ---تاریخ ان سب باتوں کے متعلق ہمیں بہت کچھ بتاتی ہے حقیقتاً اس کے سوا کچھ نہیں بتاتی۔لیکن درحقیقت بچے‘ماں اور پھرنسل انسانی کو کیسے آزاد کروایا جائے؟اس لئے ابھی تک ہمارے پاس کوئی قابل اعتماد نمونے نہیں ہیں۔ ماضی کے تمام تر تجربے‘مکمل طور پر منفی ہیں جفاکشوں کے مطالبات تمام مراعات یافتہ اور بے لگام سرپرستوں پر انتہائی بداعتمادی کے ہیں۔

نوٹس

(1) سوویت یونین میں دستیاب بچوں کی نگہداشت کی سہولیات کے اعدادو شمار بدلتے ہیں۔ایک ذریعہ۔’’روس میں خواتین‘‘ ازسوسان جیکوبی Susan Jacoby 4 اور 11 اپریل 1970ء نیوریپبلک کے مطابق ایک خاتون ماسکو میں رہتی تھی اور دعویٰ کرتی تھی کہ اس کے اعدادوشمار ماسکو کے اخبار میں دیئے گئے ہیں وہ کہتی ہے: ڈے کیئر کی سہولیات ان 25 فیصد بچوں کو حاصل تھیں جوابھی سکول نہیں جاتے تھےایک اورحوالہ جو 10 فروری 1970 ء کے’’سوویت نیوز لندن‘‘ سے لیا گیا ہے جو 1969ء کے یوایس ایس آر کے معاشی ترقی کے منصوبے کی تکمیل کی رپورٹ ہے جسے یوایس ایس آر کے مرکزی شماریاتی بورڈ نے شائع کیا ہے۔اس کے مطابق: شہری آبادی کے 70 فیصد ان بچوں کے ڈے کیئر کی سہولیات میسر تھیں جوابھی سکول نہیں جاتے تھےاور کچھ معمولی تعدامیں یہی سہولیات دیہی بچوں کو بھی حاصل تھیں۔

(2) پارٹی پر پیگنڈاسٹ روسی زبان کا لفظ ہے جس کا ترجمہ شورشی ہے۔یہ اکتوبرانقلاب کی اختراع ہے۔ایک شورشی یا مشتعل کرنے والا وہ ہوتا ہے جس کا کام پارٹی کی پالیسیوں اور پروگرام کی عوامی حلقوں میں وضاحت کرنا ہوتا ہے۔ وہ ملک کے تمام حصوں میں اپنے فرائض منصبی سرانجام دیتے ہیں۔ وہ

دکانوں، سکولوں اور دفاتر میں کام کرنے کے علاوہ گلیوں میں لوگوں کو لیکچر دیتے ہیں۔ یہاں جس کانفرنس کا حوالہ دیا گیا ہے وہ ان بے شمار کانفرنسوں میں سے ایک ہے جن کا اہتمام یہ پارٹی پراپیگنڈسٹس کرتے تھے۔

(3) کوم سومولز (Komsomols) کمیونسٹ یوتھ لیگ ہیں۔

(4) این۔اے سیماشکو (N.A.Semashko) (1949ء-1874ء) ایک پرانا بالشویک تھا جو 1923ء میں صحت عامہ کا کمیسار تھا۔

(5) شاتورکا (Shatura) کو پیار سے شاترکا (Shaturka) کہا جاتا ہے۔

(6) سمچکا (Smychka) لینن کا ایک ایسا لفظ تھا جسے وہ محنت کشوں اور کسانوں کے درمیان باہمی اتحاد، نسبت، ادغام اور تعلق کیلئے استعمال کرتا تھا جو سوویت ریاست کی بنیاد تھی۔

(7) یہ روس میں ردانقلابی قوتوں اور سرمایہ دار ممالک کی کوششوں کی طرف حوالے ہیں (وائٹ گارڈز وغیرہ) جو انقلاب کو اکھاڑ پھینکنا چاہتے تھے۔ کلیمینسیو (Clemenceau) اور چرچل (Churchill) فرانس اور برطانیہ کی طرف سے صف اول کے مندوب تھے۔ کولچک (Kolchak) زار شاہی کا ایک ایڈمرل تھا۔ جب سائبیریا میں عارضی طور پر سوویت حکومت کا خاتمہ ہوا تھا تو وہ ایک کٹھ پتلی کے طور پر وہاں آیا تھا جسے اتحادیوں کی حمایت حاصل تھی۔ نومبر 1918ء میں کوسیک (Cossack) قبیلے کے سرداروں نے اسے سپریم کمانڈر منتخب کیا تھا۔ جب ردانقلاب کو شکست ہوئی تو اتحادیوں نے اسے بے چارگی و بے بسی کے عالم میں چھوڑ دیا، گرفتار ہوا اور اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ ڈینیکن (Denikin) بھی ایک زار شاہی جنرل تھا جس کا شمار ردانقلابی لیڈروں میں ہوتا ہے۔ ڈینیکن کی شکست کے بعد رینگل (Wrangel) جو زیادہ لبرل جنرل تھا، وائٹ گارڈ نے اسے کمانڈر ان چیف منتخب کیا۔ وہ ایک سال تک کریمیا (Crimea) میں رہنے میں کامیاب ہوا لیکن 1920ء کے زوال میں اس کی فوجوں کا دیوالیہ نکل گیا اور اسے بھاگنے پر مجبور کر دیا گیا۔

(8) بوناپارٹ ازم ایک مارکسی اصطلاح ہے جو آمریت یا کسی حکومت کی آمرانہ خصوصیات کو بیان کرتی ہے۔ یہ اس عہد کے دوران جنم لیتا ہے جب طبقے کی حکمرانی محفوظ نہیں ہوتی۔ اس کی بنیاد پارلیمانی پارٹیوں یا عوامی تحریکوں کی بجائے ملٹری، پولیس اور ریاستی بیوروکریسی پر ہوتی ہے۔

(9) (لیونڈ کریسن 1870-1926 Leonid Krassin) یہ ایک پرانا بالشویک تھا جو 1922ء سے 1924ء تک فارن ٹریڈ کا عوامی کمیسار رہا۔

(10) نئے کیلنڈر کے مطابق جس کا سرکاری طور پر اعلان فرانسیسی بورژوا انقلاب سے ہوا تھا، تھرمیڈور ایک ایسا مہینہ تھا جس میں ترقی پسند جیکوبنز (Jacobins) کو جن کی راہنمائی روبسپائر (Robespierre) کر رہا تھا، انقلاب کے اندر سے ہی ایک رجعتی گروہ نے جاگیردارانہ حکومت کی بحالی کیلئے شکست دی تھی۔ یہ اس وقت ہوا جب انقلاب ابھی اتنا آگے نہیں بڑھا تھا۔ ٹراٹسکی نے سوویت فریم ورک (قومیائے گے رشتے) کے اندر سے ہی رجعت پسند سٹالنسٹ بیوروکریسی کے ہاتھوں طاقت پر فوری غاصبانہ قبضے کو تھرمیڈور کے ساتھ تاریخی مماثلت قرار دیا ہے۔ ٹراٹسکی اس اصطلاح کو تاریخی مماثلت کے باعث استعمال کرتا ہے۔ چونکہ سرمایہ دارانہ ملکیتی رشتوں کی بحالی نہیں ہوئی تھی، ٹراٹسکی نے سامراجی حکومتوں کے خلاف مزدور ریاست کے دفاع کی غیر مشروط حمایت اور وکالت کی۔ اور ساتھ ہی ساتھ ایک سیاسی انقلاب کے ذریعے سٹالنسٹ بیوروکریسی کو اکھاڑ پھینکنے کیلئے پکارتا رہا جس کی تباہ کن پالیسیوں نے سرمایہ دارانہ بحالی کے خطرات کو تقویت بخشی تھی۔

(11) انقلاب کے بعد تین سال کا عرصہ خانہ جنگی کا دور تھا۔ اس دوران ملک کی معاشی زندگی کو مکمل طور پر جنگی ضروریات کے مطابق مرتب کیا گیا تھا۔ کھپت کو نظم وضبط کے ساتھ ترتیب دینے کیلئے جنگی کمیونزم کی پالیسی اپنائی گئی جس میں اولیت فوجی مقاصد کو دی گئی۔ اس نے کسانوں اور محنت کشوں کے درمیان بہت بڑے تضاد کو جنم دیا چونکہ صنعتی پیداوار خوفناک حد تک انحطاط کا شکار

ہو گئی تھی اور اناج کی مانگ اور ضرورت کے باعث غلہ کسانوں سے چھین کر سرکاری تصرف میں لیا جاتا تھا۔ معیشت کے احیاء کیلئے 1921ء میں نئی معاشی پالیسی اپنائی گئی۔ یہ اقدامات عارضی اور عبوری تھے۔ سوویت یونین کے اندر ہی محدود پیمانے پر آزادانہ تجارت کو حرکت میں لانے کی اجازت دی گئی۔ اور معیشت کے وہ حصے جو ریاستی کنٹرول میں تھے اور قومیائے گئے تھے ان پر پہلو بہ پہلو غیر ملکی رعایت اور مراعت بھی دی گئی۔

معاشی ترقی کیلئے پہلا پانچ سالہ منصوبہ جس کا آغاز 1928ء میں ہوا تھا' اس نے صنعتی ترقی کو ایک میانہ رو تیز رفتاری دی اور انفرادی کسان کی سمت ایک متذبذب پالیسی اپنائی۔ اچانک بیورو کریسی نے پوزیشن بدلی اور پانچ سالہ منصوبے کو چار سال میں مکمل کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس تیز رفتاری اور سرعت نے کسان طبقے کو عمل اجتماعیت پر مجبور کیا یوں یہ سارا عمل معاشی افراتفری اور بدنظمی پر منتج ہوا اور عوام کیلئے مشکلات پیدا کیں۔

(12) سٹاخانووسٹ (Stakhanovist) تحریک تیز رفتار پیداوار کا ایک خاص نظام تھا جو 1935ء میں سوویت یونین میں متعارف کروایا گیا تھا۔ جس نے محنت کشوں کے اندر وسیع بے اطمینانی اور بہت بڑی اجرتی عدم مساوات کو جنم دیا تھا۔

(13) لوئیز فشر Louis Fischer (1970ء-1896ء) ایک امریکی اور ''نیشن Nation'' کا یورپی نامہ نگار تھا جس کو ماسکو مقدمات کے دوران ٹراٹسکی نے سٹالن کے ساتھ ہمدردی رکھنے کا مرتکب ٹھہرایا تھا۔

(14) لیف سیمیانووچ سوسنووسکی Lev Semyanovich (1937-1886ء) لیفٹ اپوزیشن کے ابتدائی راہنماؤں میں سے ایک تھا اور سوویت یونین میں سٹالنسٹ دھڑے کی اطاعت قبول کرنے والوں میں آخری یہی تھا۔ ''انقلاب سے غداری'' کے آغاز میں ٹراٹسکی نے ایک مشہور سوویت صحافی سوسنووسکی کا حوالہ دیا ہے جس نے سوویت بیوروکریسی کی اخلاقیات میں ''آٹو موبائل داشتاؤں کا حرم رکھنے کا عمل (حرم فیکٹر)'' کے مخصوص کردار کی نشاندہی کی

ہے۔ سوسنووسکی کے پرانے آرٹیکلز نئے حکمران طبقے کی زندگی کے واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔ اس نے بڑے منہ پھٹ انداز میں بتایا ہے کہ فتح کرنے والوں نے کس وسیع حد تک مفتوح لوگوں کی اخلاقیات کو جزو بدن بنالیا ہے اور حالات سے سمجھوتہ کرلیا ہے۔

(15) ایملین یاروسلاوسکی Emelian Yaroslavsky (1943ء-1878ء) دہریوں کی سوسائٹی کا لیڈر تھا۔ یہ ایک ایسی تنظیم تھی جو مذہب کے خلاف پراپیگنڈا کرتی تھی ۔وہ سنٹرل کنٹرول کمیشن کے پریذیڈیم (صدارتی انتظامیہٗ اشتراکی ممالک میں وہ مجلس عاملہ جو بڑی حکومتی اکائی کیلئے کام کرے۔ متحدہ سوویت اشتراکی جمہوریتوں کی چودہ ارکان پر مشتمل ایک مستقل عاملہ) کاممبر تھا۔ جولائی 1927ء میں ٹراٹسکی کے خلاف لگائے گئے الزامات کا سرکاری مصنف بھی تھا۔ اس نے 1920ء کی دہائی میں سٹالن کی ہدایات پر بالشویک تاریخ کو جھٹلانے کیلئے ایک کتاب لکھی تھی۔ 1931ء میں سٹالن نے اعلانیہ اس کی ملامت کی تھی ۔ کھلے بندوں اچھی خاصی تواضع کی تھی۔ سٹالن نے کہا تھا کہ اس نے ٹراٹسکائیٹ نظریات کو سمگل کر کے میری تاریخ میں شامل کر دیا ہے۔ چونکہ یاروسلاوسکی کی کتاب سٹالنزم کو تو سراہتی تھی مگر اس نے سٹالن کے کردار کو چار چاند نہیں لگائے تھے۔